فلسفۂ حجاب



یکے از مطبوعات

جامعہ تعلیماتِ اسلامی پاکستان

فلسفۂ حجاب

شہید مرتضیٰ مطہری

یکے از مطبوعات

جامعہ تعلیماتِ اسلامی پاکستان

پوسٹ بکس ۵۴۲۵ کراچی-۲

ترجمہ ______ سید محمد موسٰی رضوی
باز نویس ______ رضا حسین رضوانی
خوش نویس ______ شیخ اشرف راحت
طبع سوم ______ ۱۹۹۳ء
مطبع ______ عباسی لیتھو آرٹ پریس کراچی

اسلام

"کیا تم نے پوری طرح سمجھ لیا ہے کہ اسلام کیا ہے ؟ یہ ایک ایسا دین ہے جس کی بنیاد حق و صداقت پر رکھی گئی ہے۔ یہ علم کا ایک ایسا منبع ہے جس سے عقل و دانش کی متعدد ندیاں پھوٹتی ہیں۔ یہ ایک ایسا چراغ ہے جس سے لاتعداد چراغ روشن ہوتے رہیں گے۔ یہ ایک ایسا بلند رہنما مینار ہے جو اللہ کی راہ کو روشن کرتا ہے۔ یہ اصولوں اور اعتقادات کا ایک ایسا مجموعہ ہے جو صداقت اور حقیقت کے ہر متلاشی کو اطمینان بخشتا ہے۔

"اے لوگو! جان لو کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو اپنی برترین خوشنودی کی جانب ایک شاندار راستہ اور اپنی عبودیت اور عبادت کا بلند ترین معیار قرار دیا ہے۔ اس نے اسے اعلیٰ احکام، بلند اصولوں، محکم دلائل، ناقابلِ تردید تفوق اور مسلمہ دانش سے نوازا ہے۔

اب یہ تمہارا کام ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے جو شان اور عظمت بخشی ہے اسے قائم رکھو۔ اس پر خلوصِ دل سے عمل کرو۔ اس کے معتقدات سے انصاف کرو۔ اس کے احکام اور فرامین کی صحیح طور پر تعمیل کرو اور اپنی زندگیوں میں اسے اس کا مناسب مقام دو۔"

امامِ علی علیہ السلام

کچھ اپنے بارے میں

حضرت آیت اللہ العظمیٰ سیّد ابوالقاسم موسوی خوئی دام ظلہ العالی کی سرپرستی میں قائم ہونے والا یہ بین الاقوامی ادارہ جامعہ تعلیمات اسلامی دنیا کے متعدد ممالک میں اسلامی علوم و معارف پر مشتمل معتبر اور مستند لٹریچر عوام تک پہنچانے میں کوشاں ہے۔ اس ادارے کا مقصد دورِ حاضر کی روحانی ضروریات کو پورا کرنا' لوگوں کو اصلی اور محکم اسلامی علوم کی طرف متوجہ کرانا اور اس گرانبہا علمی سرمائے کی حفاظت کرنا ہے جو اہلبیت رسولؐ نے ایک مقدس امانت کے طور پر ہمارے سپرد کیا ہے۔

یہ ادارہ اب تک اُردو' انگریزی' فرانسیسی' سندھی اور گجراتی زبانوں میں ۸۰ سے زیادہ کتابیں شائع کر چکا ہے جو اپنے مشمولات' اسلوبِ بیان اور طباعت کی خوبیوں کی بنا پر فردوسِ کتب میں ایک نمایاں مقام حاصل کر چکی ہیں۔ نشر و اشاعت کا یہ سلسلہ انشاءاللہ جاری رہے گا اور بھٹکی ہوئی انسانیت کو صراطِ مستقیم کی شناخت کرواتا رہے گا۔

اس کے علاوہ جامعہ کے زیرِ اہتمام چلنے والے ۶۰ سے زیادہ مدرسے گزشتہ سات برسوں سے قوم کے بچے بچیوں میں بنیادی اسلامی تعلیم کو عام کرنے میں اپنا کردار ادا کر رہے ہیں۔ امید ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان مدرسوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا۔ دعوتِ اسلام کو فروغ دینا ایک ایسا کام ہے جسکی انجام دہی کے لیے ہم سب کو تعاون کرنا چاہیے۔ ادارہ آپ سب کو اس کارِ خیر میں شرکت کی دعوت دیتا ہے تاکہ دینی تعلیمات کو زیادہ سے زیادہ عام کیا جا سکے۔

دعا ہے کہ خداوندِ منان ہم سب پر اپنی رحمتیں اور برکتیں نازل کرے!

دعاؤں کا طلبگار: **شیخ یوسف علی نفسی**

فہرست

تیسرا باب

چوتھا باب

پانچواں باب

وضاحت

قارئینِ کرام!

میری یہ بحث خالص علمی ہے۔ اسکی حیثیت کسی فتوے کی نہیں۔ لہذا آپ جس مُجتہد کی تقلید میں ہیں اُنھی کے فتوے پر عمل کیجیے۔ (مُصَنِّف)

ای زن بتو از فاطمہؑ اینگونہ خطابست
ارزندہ ترین زینت زن حفظ حجابست

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

کتنے دکھ کی بات ہے کہ لادین حلقوں نے ہماری نوجوان نسل کے فکری خلا کو ہم سے پہلے بھانپ لیا اور اس کے احساسات سے غلط فائدہ اٹھایا۔ انھوں نے دلنشیں طرز بیان کے ذریعے گمراہ کن نظریات کو اس کے دل و دماغ پر مرتسم کر دیا جس کے نتیجے میں وہ فکری اور اخلاقی طور پر دیوالیہ ہوگئی لیکن خدا کا شکر ہے کہ دینی بیداری اور اسلامی تشخص کے جذبے کے تحت ہماری نوجوان نسل حقائق دین کو سمجھنے کے لیے جس جوش و خروش کا اظہار کر رہی ہے اس کے پیش نظر ہر دانشور یہ محسوس کر رہا ہے کہ یہ نسل مذہبی معلومات حاصل کرنے کے لیے آج پہلے سے زیادہ آمادہ ہے۔ ان حالات میں "پردہ" کے مسئلے پر جدید فکر و نظر کی حامل ایک مستقل کتاب کی اشاعت میں جامعہ تعلیمات اسلامی کے پیش نظر یہی مقصد ہے کہ پردے کے بارے میں پائی جانے والی غلط فہمیوں کو دور کرنے اور اسلامی نظریے کی طرف نئی نسل کی فکری رہنمائی کرنے کی کوشش کی جائے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ نامحرم مرد سے عورت کے پردے کا ضروری ہونا اسلام کے اہم مسائل میں سے ہے۔ خود قرآن کریم میں اس کے متعلق صراحت پائی جاتی ہے۔ عورت کا اپنے بدن کو غیر مرد سے چھپانا پردے کے لازم ہونے کی علامت ہے۔ اسی طرح اجنبی مرد اور عورت کی باہمی خلوت کا ناجائز ہونا بھی پردے کی تائید کرتا ہے۔

زیر نظر کتاب میں اس موضوع پر ان پانچ ابواب میں بحث کی گئی ہے:

پہلا باب

بِاسْمِہٖ تَعَالیٰ

پردے کی تاریخ

پردے کے بارے میں تاریخی اعتبار سے میری معلومات مکمل نہیں ہیں۔ ہماری معلومات تاریخی لحاظ سے اس وقت مکمل کہی جا سکتی ہیں جب ہم ظہور اسلام سے پہلے موجود تمام قوموں کے حالات بخوبی جانتے ہوں۔ بہرحال اس قدر مسلّم ہے کہ ظہور اسلام سے پہلے بعض قوموں میں پردے کا رواج تھا۔ جہاں تک میں نے اس موضوع سے متعلق کتابوں کا مطالعہ کیا ہے' اس کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ ایرانیوں' یہودیوں اور ہندوؤں میں بھی پردے کا رواج رہا ہے اور ان کا قانونِ پردہ اسلامی پردے سے زیادہ سخت تھا لیکن دورِ جاہلیت کے عربوں میں پردہ موجود نہیں تھا اور ان میں یہ خصوصیت اسلام کی بدولت پیدا ہوئی۔

امریکی مصنّف ول ڈیورنٹ (۱۸۸۵-۱۹۸۱ء) اپنی کتاب تاریخ تمدن[1] میں یہودی قوم اور اس کے قانون پردہ کے بارے میں لکھتا ہے:

" اگر کوئی یہودی عورت قانون پردہ کی خلاف ورزی کرتی مثلاً وہ برہنہ سر لوگوں کے درمیان آتی یا شارع عام پر سُوت کاتتی یا ہر قسم کے افراد سے اپنا دکھڑا کہتی یا اتنی بلند آواز میں گفتگو کرتی کہ پڑوسی اس کی آواز سن لیں تو اسکے شوہر کو یہ حق حاصل تھا کہ اس کا مہر ادا کیے بغیر اسے طلاق دیدے۔" (جلد ۱۲ صفحہ ۳۰)

---

[1] History of Civilization

چنانچہ جو پردہ یہودیوں میں رائج تھا، وہ اسلامی پردے سے، جیسا کہ ہم بعد میں وضاحت کریں گے، زیادہ سخت تھا۔

ول ڈیورنٹ قدیم ایرانیوں کے بارے میں لکھتا ہے:

"زرتشت کے زمانے میں عورتوں کو بڑا اونچا مقام حاصل تھا۔ وہ کھلے چہروں کے ساتھ بڑی آزادی سے لوگوں میں آیا جایا کرتی تھیں۔"

اس کے بعد وہ لکھتا ہے:

"داریوش کے بعد خاص طور پر سرمایہ دار طبقے میں عورت کا مقام خاصا پست ہو گیا۔ معاشی طور پہ بدحال عورتوں کو چونکہ کام کاج کے سلسلے میں لوگوں کے درمیان آنا پڑتا تھا اس لیے ان کی آزادی برقرار رہی، لیکن دوسری عورتوں پر چونکہ حیض کے خاص ایام میں گوشہ نشینی لازمی قرار پا گئی تھی لہٰذا آہستہ آہستہ گوشہ نشینی کے اس وقفے نے وسعت اختیار کر لی اور ان کی پوری اجتماعی زندگی اس کی لپیٹ میں آ گئی اور مسلمانوں کے ہاں بھی پردے میں یہی بات پائی جاتی ہے۔ اونچے گھرانے کی عورتوں کو یہ مجال نہیں ہوتی تھی کہ وہ پالکی کے بغیر گھر سے نکلیں۔ انہیں ہرگز کھلے بندوں مردوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے کی اجازت نہیں تھی۔ شادی شدہ عورتوں کو اپنے شوہروں کے سوا کسی دوسرے مرد کو دیکھنے کا حق نہیں تھا، چاہے وہ مرد اُن کا باپ یا بھائی ہی کیوں نہ ہو۔ قدیم ایرانی پینٹنگز جو ہم تک پہنچی ہیں اُن میں عورت کی کوئی تصویر نظر نہیں آتی۔"

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ قدیم ایران میں پردے کی سختی کا یہ عالم تھا کہ وہاں شادی شدہ عورت کے لیے اس کے باپ اور بھائی بھی نامحرم تھے۔

ول ڈیورنٹ کے مطابق وہ شدید قانون جس میں پارسی قوانین کے تحت عورت اپنے مخصوص ایام کے دوران ایک کمرے میں محبوس ہو جایا کرتی تھی اور گھر کے سب افراد اس سے دوری اختیار کرتے تھے قدیم ایران میں سخت پردے کا باعث ہوا۔

"یہودیوں میں بھی حائض عورتوں کے بارے میں کچھ ایسا ہی دستور تھا لیکن مسلمانوں میں بھی پردے کے معاملے میں یہی بات پائی جاتی ہے۔"

اس جملے سے ول ڈیورنٹ کی مراد کیا ہے؟ کیا وہ یہ کہنا چاہتا ہے کہ مسلمانوں میں پردے کے

رواج کا سبب بھی وہی سخت قوانین ہیں جو ایک حائض عورت پر عائد کیے جاتے ہیں ؟ سب جانتے ہیں کہ اسلام میں ہرگز اس قسم کا کوئی قانون نہ پہلے تھا اور نہ اب ہے۔ البتہ حائض عورت کو نماز اور روزہ جیسی چند واجب عبادتوں سے روکا گیا ہے اور ان ایام میں اس سے مباشرت کی ممانعت کی گئی ہے، لیکن دوسروں کے ساتھ معاشرت کے سلسلے میں اس پر ایسی کوئی پابندی نہیں ہے کہ جس کے سبب وہ عملاً گوشہ نشینی پر مجبور ہو جائے۔

وِلڈیورنٹ اگر یہ کہنا چاہتا ہے کہ ایرانیوں کے قبول اسلام کے بعد پردے کی رسم تمام مسلمانوں میں رواج پا گئی تو یہ بھی خلاف واقعہ ہے کیونکہ ایرانیوں کے مسلمان ہونے سے قبل ہی پردے سے متعلق قرآنی آیات نازل ہو چکی تھیں۔

وِلڈیورنٹ کی اس سے مابعد کی گفتگو سے ان دونوں باتوں کا پتا چلتا ہے، وہ دعویٰ کرتا ہے کہ مسلمانوں میں پردہ ایرانیوں کے مسلمان ہونیکے بعد رائج ہوا اور اس بات کا بھی مدعی ہے کہ حائض عورت سے ترکِ مباشرت مسلمان عورتوں کے پردے یا کم از کم ان کی گوشہ نشینی میں مؤثر رہا ہے۔

آگے چل کر وہ کہتا ہے :

”عربوں کا ایرانیوں سے میل جول اسلامی دنیا میں پردے اور لواطت کے رواج کا باعث بنا۔ عرب ہمیشہ عورت کی دلفریبی سے خائف اور اس کے حسن کے دلدادہ رہے۔ مرد عورت کے قدرتی اثر کی تلافی اس کی لیاقت اور عصمت پر قدرے حرف زنی کر کے کرتے تھے۔ حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) اپنے لوگوں سے کہا کرتے تھے :

'عورتوں سے مشورہ کرو لیکن ان کی رائے کے خلاف عمل کرو'

لیکن پہلی صدی ہجری میں مسلمانوں نے اپنی عورتوں کو پردہ نہیں کرایا تھا اور مرد و زن ایک دوسرے سے آزادانہ ملتے، سڑکوں پر پہلو بہ پہلو چلتے اور مسجدوں میں ایک ساتھ نماز ادا کرتے تھے۔ پردہ اور خواجہ سرائی کا دستور ولید دوم کے زمانے (سنہ ۱۲۶ـ۱۲۷ ہجری) میں رائج ہوا۔ عورتوں کی گوشہ گیری اس لیے عمل میں آئی کہ وہ ایام حیض و نفاس میں مردوں پر حرام تھیں۔“

(جلد ۱۱ صفحہ ۱۱۲)

اسی کتاب میں وِلڈیورنٹ مزید لکھتا ہے:

"پیغمبرِ اسلام (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے چاک گریبان والی قمیص پہننے سے منع فرمایا تھا لیکن بعض عربوں نے اسے نظر انداز کر دیا تھا۔ ہر طبقہ کی عورتوں میں زیورات پہننے کا رواج عام تھا۔ وہ زرق برق کمر بند باندھتی تھیں۔ بلاؤز اور رنگ برنگے لباس پہنتی تھیں۔ وہ اپنے بالوں کو جوڑے، چوٹی یا سیاہ ریشمی پراندے سے زینت دیکر سر کے پیچھے ڈال دیا کرتی تھیں۔ کبھی کبھار بال ان کے شانوں پر بھی بکھرے ہوتے تھے۔ غالباً وہ جواہرات اور پھولوں سے بھی اپنے آپ کو سنوارتی تھیں لیکن ۷۰؁ ہجری کے بعد سے انہوں نے اپنے چہرے کو آنکھوں کے نچلے حصے تک ڈھانپنا شروع کر دیا۔ اس کے بعد یہ بات رواج پا گئی۔" (جلد ا صفحہ ۱۱۱)

ولڈیورنٹ اسی کتاب کی دسویں جلد کے صفحہ ۲۳۳ پر قدیم ایرانیوں کے بارے میں لکھتا ہے:

"داشتہ رکھنے پر کوئی پابندی نہیں تھی۔ داشتائیں یونانی معشوقاؤں کی طرح آزاد تھیں۔ وہ ضیافتوں میں مردوں کے ساتھ شرکت کرتی تھیں لیکن منکوحہ عورتیں عام طور پر گھروں میں پابند رہتی تھیں۔ یہ قدیم ایرانی رسم بعد میں اہل اسلام کو منتقل ہو گئی۔"

ولڈیورنٹ اس طرح گفتگو کرتا ہے گویا پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں پردے کا کوئی "حکم" ہی نہیں تھا، آپ نے صرف چاک گریبان والی قمیص پہننے سے منع فرمایا تھا اور مسلمان عورتیں پہلی صدی ہجری کے اواخر اور دوسری صدی ہجری کے اوائل تک بے پردگی کے ساتھ لوگوں کے درمیان آیا جایا کرتی تھیں، حالانکہ تاریخ قطعی طور پر اس کے خلاف گواہی دیتی ہے۔ بے شک زمانہ جاہلیت کی عورت ولڈیورنٹ کی تعریف کے مطابق رہی ہے، لیکن اسلام نے اس سلسلے میں ایک انقلاب برپا کیا۔ ام المومنین بی بی عائشہ عورتوں کی مدح ان الفاظ میں کیا کرتی تھیں:

> "آفرین ہے انصاری عورتوں پر کہ جونہی سورۂ نور کی آیتیں نازل ہوئیں ان میں کی ایک بھی ایسی نہیں تھی جو سابقہ انداز میں گھر سے باہر نکلی ہو۔ تمام عورتوں نے اپنے سروں کو سیاہ چادروں سے ڈھانپ لیا، گویا کوّے ان کے سروں پر بیٹھے ہوں۔" (تفسیر کشاف۔ سورۂ نور۔ آیت ۳۱)

اسی موضوع کو جناب ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے بھی نقل کیا گیا ہے، اس فرق کے ساتھ کہ آپ فرماتی ہیں:

سورۂ احزاب کی ۵۹ ویں آیت[1] کے نزول کے بعد انصاری عورتوں نے یہ طرزِ عمل اختیار کیا۔ (سنن ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۳۸۲)

کانٹ گوبینو بھی اپنی کتاب ایران میں تین سال[2] میں اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ ساسانی دور کا سخت پردہ اسلامی دور میں ایرانیوں کے درمیان باقی رہا۔ اس کا خیال ہے کہ ساسانی دور میں صرف پردے ہی کا مسئلہ نہ تھا بلکہ وہاں تو عورتوں کو مخفی بھی رکھا جاتا تھا۔ وہ کہتا ہے کہ شہزادوں اور زرتشتی عالموں کی خودسری کا یہ عالم تھا کہ ہر شخص اپنے گھر کی خوبصورت لڑکی کو چھپا کر رکھتا تھا کہ مبادا انہیں علم نہ ہو جائے کیونکہ اگر انہیں یہ علم ہو جاتا تھا کہ فلاں شخص کے گھر میں کوئی خوبصورت لڑکی موجود ہے تو پھر وہ اس کا یا اپنی جان کا مالک نہ رہتا تھا۔

بھارت کے پہلے وزیراعظم پنڈت جواہر لعل نہرو کا بھی یہی خیال تھا کہ پردہ روم اور ایران کی غیر مسلم اقوام سے دنیائے اسلام میں داخل ہوا۔ انہوں نے GLIMPSES OF WORLD HISTORY میں اسلامی تمدن کو سراہتے ہوئے ان تبدیلیوں کی طرف اشارہ کیا ہے جو بعد میں پیدا ہوئیں۔ وہ کہتے ہیں:

" ایک اور بڑی اور افسوسناک تبدیلی تدریجاً رونما ہوئی اور وہ عورتوں کے بارے میں تھی۔ عرب عورتوں میں پردے کا رواج نہ تھا۔ وہ مردوں سے چھپ کر اور ان سے الگ زندگی بسر نہیں کرتی تھیں بلکہ عام تقریبات میں شرکت کرتی تھیں۔ مجلس، وعظ اور مساجد میں جایا کرتی تھیں بلکہ خود بھی وعظ اور تقریریں کیا کرتی تھیں لیکن عربوں نے اپنی غیر ملکی فتوحات کے بعد رفتہ رفتہ ان رسموں کو اپنا لیا جو روم اور ایران میں رائج تھیں۔ انہوں نے روم اور ایران کی شہنشاہیت پر غلبہ تو پا لیا مگر خود ان شہنشاہوں کے غیر پسندیدہ آداب و عادات کے اسیر ہو گئے اور جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے یہ قسطنطنیہ اور ایران کی شہنشاہیت کا اثر و نفوذ ہی تھا جس نے مردوں سے عورتوں کی جدائی اور پردہ نشینی کو عربوں میں رواج دیا اور حرم کا نظام عمل میں آیا جس سے مرد اور عورت ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔" (جلد ۱ صفحہ ۳۲۸)

---

[1] يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ۔ [2] Count Gobineau "Three Years in Iran"

یہ ایک غیر حقیقی گفتگو ہے۔ ہاں! بعد کے زمانے میں نو مسلم عجمیوں سے عربوں کے میل جول نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں مروج پردے کو زیادہ سخت کر دیا تھا نہ یہ کہ اسلام نے بنیادی طور پر پردے کو اہمیت ہی نہیں دی ہے۔

نہرو کے اظہار خیال سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ رومی بھی (شاید یہودیوں کے زیر اثر) پردے کی خصوصیت کے حامل تھے اور رسم حرم سرا داری نے روم اور ایران سے مسلمان خلفاء کے دربار میں راہ پائی۔ اس نکتہ کی دوسروں نے بھی تائید کی ہے۔

ہندوستان میں بھی بہت سخت قسم کا پردہ رائج تھا لیکن یہ واضح نہیں ہے کہ یہ اسلام سے پہلے وہاں رائج تھا یا اس کے بعد رائج ہوا۔ جو بات مسلم ہے وہ یہ ہے کہ ہندوستان کا پردہ بھی قدیم ایرانی پردے کی طرح سخت رہا ہے۔ تاریخ تمدن کی دوسری جلد میں WILL DURANT کی گفتگو سے یہ بات مستفاد ہوتی ہے کہ اہل ہند میں، مسلمان ایرانیوں کے ذریعے پردے کا رواج ہوا۔

نہرو اپنی تمام گفتگو کے بعد کہتے ہیں :

"افسوس کہ یہ غیر مرغوب رسم آہستہ آہستہ اسلامی معاشرے کی ایک خصوصیت بن گئی اور مسلمانوں کے ہندوستان آنے پر اہل ہند نے بھی اسے سیکھ لیا۔"

نہرو کے خیال کے مطابق ہندوستان میں پردہ مسلمانوں نے متعارف کرایا لیکن اگر ہم ریاضت اور ترک لذت کے رجحان کو پردے کے ظہور کا سبب جانیں تو ہمیں ماننا پڑے گا کہ ہندوستان نے قدیم ترین ایام سے پردے کو اپنایا ہے کیونکہ وہ ریاضت اور مادی لذتوں سے نفرت کے تصور کا قدیمی مرکز رہا ہے۔ مشہور برطانوی فلسفی۔ برٹرینڈ رسل اپنی کتاب ازدواج اور اخلاق MARRIAGE AND MORALS میں رقمطراز ہے :

"موجودہ مہذب معاشروں میں جو جنسی اخلاق پائے جاتے ہیں، ان کے دو محرکات ہیں: پہلا محرک یہ ہے کہ پاکیزگی نسل کا اطمینان حاصل کیا جائے اور دوسرا محرک یہ راہبانہ اعتقاد ہے کہ عشق ایک برائی ہے۔ زمانہ ماقبل مسیح میں اور مشرق بعید کے ممالک میں آج تک جو جنسی اخلاق پائے جاتے ہیں، وہ پہلے محرک ہی کا نتیجہ ہیں لیکن ہندوستان اور ایران اس پہلے محرک سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ بظاہر یہی وہ مقامات ہیں جہاں ریاضت وجود میں آئی اور پھر ساری دنیا میں پھیل گئی۔" (صفحہ ۱۳۵)

بہرحال یہ بات غیر متنازعہ ہے کہ ظہورِ اسلام سے قبل دنیا میں پردے کا وجود رہا ہے اور اسلام نے اس کی بنیاد نہیں رکھی۔

البتہ یہ بات ہم آئندہ ابواب میں بیان کریں گے کہ اسلامی پردہ قدیم اقوام میں رائج پردے سے کوئی مطابقت رکھتا بھی ہے کہ نہیں اور یہ کہ جو فلسفہ اسلام میں پردے کی بنیاد قرار پایا ہے کیا دوسری اقوام میں بھی پردے کا وہی فلسفہ ہے۔

دوسرا باب

رواجِ پردہ کے اسباب

پردے کے ظہور کا سبب کیا ہے؟ وہ کس طرح بعض اقوام میں ظہور پذیر ہوا؟ اسلام نے جو ایک ایسا دین ہے کہ جس کے تمام احکام کسی نہ کسی فلسفہ پر مبنی ہیں کس بنا پر پردے کا حکم دیا ہے۔ یہ وہ سوالات ہیں جن پر ہم اس باب میں روشنی ڈالیں گے۔

پردے کے مخالفین کی یہ کوشش رہی ہے کہ وہ ظالمانہ اقدامات کو پردے کے ظہور کا سبب قرار دیں۔ اس سلسلے میں وہ اسلامی اور غیر اسلامی پردے میں تفریق نہیں کرتے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ اسلامی پردہ بھی انہی ظالمانہ اقدامات کی پیداوار ہے۔

پردے کے وجود پذیر ہونے کے اسباب میں مختلف نظریات بیان کیے گئے ہیں جن میں زیادہ تر یہ کوشش کی گئی ہے کہ پردے کو ایک ظالمانہ اور جاہلانہ عمل ظاہر کیا جائے۔ اس سلسلے میں جو نظریات ہم تک پہنچے ہیں وہ فلسفیانہ، اجتماعی، اقتصادی، اخلاقی اور نفسیاتی پہلوؤں کے حامل ہیں جنہیں ہم نیچے لکھتے ہیں:

① ریاضت اور رہبانیت (فلسفیانہ سبب)
② عدم تحفظ اور عدم عدالت (اجتماعی سبب)
③ عورت کا استحصال (اقتصادی سبب)

(۴) حسادت مرد (اخلاقی سبب)

(۵) عورت کے مخصوص ایام سے مراد عورت کا یہ احساس ہے کہ وہ خلقت میں مرد سے کمتر واقع ہوئی ہے اسکے علاوہ وہ سخت قوانین جنکے تحت عورت کی ناپاکی کے دنوں میں ترک معاشرت کی جاتی تھی۔ (نفسیاتی سبب)

مذکورہ بالا اسباب کسی بھی صورت میں دنیا کے کسی بھی خطے میں پردے کے وجود پذیر ہونے میں مؤثر نہیں رہے ہیں اور انہیں بلاوجہ پردے کے ظہور کا سبب قرار دیا گیا ہے۔ بفرض محال اگر یہ بعض غیر اسلامی مذاہب میں موثر رہے بھی ہیں تو ان سے اس فلسفہ کا کوئی تعلق نہیں جو اسلام میں پردے کی تشریع کا سبب ہوا۔

جیسا کہ ہمارا مشاہدہ ہے پردے کے مخالفین پردے کو دنیا اور اس کی لذتوں کے بارے میں ایک خاص فلسفے کی پیداوار قرار دیتے ہیں۔ وہ کبھی اس کے لیے سیاسی و اجتماعی پہلوؤں کا تذکرہ کرتے ہیں اور کبھی اسے اقتصادی اسباب کا نتیجہ بتاتے ہیں یا پھر اخلاقی اور نفسیاتی پہلوؤں کو اس کی وجود پذیری میں دخیل گردانتے ہیں۔

ہم ان تمام اسباب پر تبصرہ کرکے یہ ثابت کریں گے کہ اسلام اپنے اجتماعی فلسفہ میں مذکورہ اسباب سے کسی بھی طرح متاثر نہیں ہوا اور ان میں سے کوئی بھی اسلام کے جانے پہچانے مسلمہ اصولوں سے موافقت نہیں رکھتا۔ آخر میں ہم ایک بنیادی سبب کی طرف اشارہ کریں گے جو ہماری نظر میں ان سب سے زیادہ بہتر سمجھا جاتا ہے۔

ریاضت اور رہبانیت

ریاضت اور رہبانیت کی پردے سے وابستگی کا سبب یہ ہے کہ چونکہ عورت، مرد کی مسرّت اور کامرانی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے لہٰذا اگر یہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ گھل مل کر رہیں تو بہرطور ان کی توجہ حصول لذت اور شادکامی کی طرف جائے گی۔

رہبانیت اور ترک لذت سے وابستہ افراد ماحول کو پوری طرح زہد و ریاضت سے ہم آہنگ کرنے کے لیے مرد و زن کے درمیان حجاب کے قائل ہوئے ہیں اور انھوں نے پردے کو رواج دیا ہے۔

ان کا یہ عمل صرف عورت تک محدود نہیں تھا بلکہ ہر وہ چیز جو عورت کی طرح لذت اور لطف اندوزی کی محرک تھی، انھوں نے ان سب کے ساتھ جنگ کی۔ اس نظریے کے مطابق پردے کی ظہور پذیری، ازدواج کو منحوس سمجھنے اور تیاگ کو مقدس جاننے کا نتیجہ ہے۔

ترک دنیا کے نظریے نے جس طرح دنیا اور اس کے مادی وسائل کو ٹھکرانے کا فلسفہ پیش کیا ہے، اسی طرح تجرّد اس کا مطمح نظر ہے۔ بالوں کو نہ تراشنے کا عمل سکھوں، ہندوؤں اور بعض درویشوں میں رائج ہے کیونکہ ان کے خیال میں بالوں کو تراشنا اور انہیں چھوٹا کرنا جنسی رغبت میں اضافے کا سبب ہے۔

اس سلسلے میں برٹرینڈ رسل کی گفتگو قابل ذکر ہے۔ وہ اپنی کتاب ازدواج اور اخلاق میں کہتا ہے:

"مسیحیت کے ابتدائی برسوں میں پولس رسول کا نظریہ چرچ نے اس شدومد سے پھیلایا کہ تجرّد کو تقدّس کا درجہ حاصل ہو گیا۔ بے شمار لوگ بیابانوں کی طرف نکل کھڑے ہوئے تاکہ اس شیطان کو مغلوب کریں جو اُن کے اذہان کو شہوانی تصوّرات کی آماجگاہ بنائے رکھتا ہے۔ چرچ نے غسل اور بدن کی صفائی کی بھی ممانعت کی، کیونکہ انسانی بدن کے اعضاء اسے گناہ کی طرف راغب کرتے ہیں۔ چرچ نے بدن کی میل کو بھی تحسین کی نگاہ سے دیکھا اور جسم کی بدبو کو بھی پسندیدہ جانا۔ کیونکہ سینٹ پال کی نظر میں بدن کی صفائی روح کی پاکیزگی سے میل نہیں کھاتی۔ اس نے سر کی جوؤں کو "خدائی موتی" قرار دیا تھا۔" (صفحہ ۳۰)

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ بنیادی طور پر ریاضت اور رہبانیت سے نوع بشر کی رغبت کا سبب کیا ہے؟ انسان کو فطرتاً شادکام اور لذت طلب ہونا چاہیے۔ لذت سے پرہیز اور خود کو اس سے محفوظ رکھنے کی کوئی تو دلیل ہو گی؟

"ہم جانتے ہیں کہ ریاضت یعنی نفس کشی وہ عمل ہے جو دنیا کے اکثر خطوں میں پایا جاتا ہے اور ان کے مراکز مشرق میں ہندوستان اور مغرب میں یونان رہے ہیں۔ فلسفہ سے تعلق رکھنے والی کلبی جماعت جسے یونان میں بڑا فروغ حاصل تھا ــــ فقر ــــ کی حامی اور مادی لذّتوں

کی مخالف تھی۔ ؎

اس قسم کے افکار و خیالات کے ظہور کا پہلا سبب انسان کا حصولِ حقیقت سے لگاؤ ہے۔ یہ لگاؤ بعض افراد میں غیر معمولی طور پر شدید ہوتا ہے اور اگر اس میں یہ خیال بھی شامل ہو جائے کہ رُوح پر انکشافِ حقیقت اسی وقت ممکن ہے جب جسم اور جسمانی خواہشات کی تحقیر کی جائے تو ریاضت اور رہبانیت اس کا لازمی نتیجہ ہو گا۔ اس بات کو آسان لفظوں میں یوں کہیے کہ یہ سوچ کہ حق تک پہنچنا بجز فنا، نیستی اور ہوائے نفس کی مخالفت کے ممکن نہیں، ریاضت اور رہبانیت کے ظہور کا اصلی سبب ہے۔

ریاضت کے ظہور کا دوسرا سبب مادی لذتوں سے بعض حقیقی تکلیفوں کا اتصال ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ہمیشہ مادی لذّتوں میں روحانی اذیتوں کا وجود پایا جاتا ہے۔ مثلاً یہ بات دیکھنے میں آئی ہے کہ اگرچہ صاحبِ دولت ہونا بے پناہ خوشیوں اور کامیابیوں کا موجب ہے لیکن اس کے حصول اور حفاظت میں ہزارہا تکلیفوں، مصیبتوں اور ذلتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ انسان نے جب یہ دیکھا کہ وہ اپنی آزادی، بے نیازی اور علوِ طبعی کو ان مادی لذتوں کے باعث کھو رہا ہے تو اس نے تمام لذّتوں سے منہ موڑ کر تنہائی، تجرّد اور تہی دامنی کو اپنا شعار بنا لیا۔ شاید اہلِ ہند کی ریاضت میں پہلا سبب اور یونانی کلبیوں کی فقر پسندی میں دوسرا سبب کارفرما رہا ہے۔

ریاضت اور ترکِ لذّت کا ایک اور سبب یہ بیان کیا گیا ہے کہ مادّی اہداف میں ناکامی خاص

؎ کلبی جماعت کا مورثِ اعلیٰ ANTISTHENES سقراط کا شاگرد تھا۔ وہ اپنے استاد کی طرح اکتسابِ فضیلت کو مقصدِ حیات جانتا تھا لیکن اس کی نگاہ میں تمام جسمانی اور روحانی لذتوں سے ترکِ تعلق فضیلت کا معیار تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کی جماعت کا نام Cynic اس لیے پڑا کہ Antisthenes کی تقریریں ایتھنز کے اس علاقے میں ہوا کرتی تھیں جسے بعض وجوہات کی بنا پر — سفید کتا — کہا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ اس کی ایک وجہ یہ بھی بتائی جاتی ہے کہ اس کے پیروکاروں نے دنیا اور علائقِ دنیا سے صرفِ نظر میں اس حد تک مبالغہ کیا کہ وہ ضروریاتِ زندگی سے دستبردار ہو گئے اور انھوں نے جانوروں کی سی زندگی اختیار کر لی۔ وہ ننگے پاؤں اور ننگے سر، لبر لبر کپڑوں اور الجھے الجھے بالوں کیساتھ لوگوں کے درمیان اٹھتے اور کسی کا لحاظ کیے بغیر جو جی میں آتا کہہ گزرتے۔ انہیں اپنے فقر اور درد و رنج سہنے کی عادت پر بڑا فخر تھا، وہ ان تمام حدود و قیود سے آزاد ہو گئے تھے جو اجتماعی زندگی کیلئے ضروری ہوتی ہیں۔ (یورپ میں فروغِ علم۔ جلد ا صفحہ ۵۵)

کر عشق میں ناکامی انسان کو ریاضت کی طرف لیجاتی ہے۔ ناکامیوں کے بعد انسان مادّی لذّتوں سے انتقام لینے کے لیے انہیں حرام قرار دیتا ہے اور اس کے لیے ایک نیا فلسفہ بیان کرتا ہے۔

عیش و آرام کی زیادتی بھی ریاضت کی طرف میلان کا ایک سبب ہے۔ حصول لذت کے لیے انسان کی جسمانی ظرفیت محدود ہے اور جب یہ عمل حد سے بڑھ جاتا ہے تو روح پر اس کا ردِّ عمل خاص کر بڑھاپے میں بڑا شدید ہوتا ہے اور اس سے تھکاوٹ کا اظہار ہوتا ہے۔

ان دو اسباب کی تاثیر ناقابل انکار ہے لیکن ہم انہیں پر انحصار نہیں کر سکتے۔ ان دو اسباب کی تاثیر یہ ہے کہ ناکامیوں یا تھکاوٹ کے بعد روح میں حقیقت کو پا لینے کا خیال جاگ اٹھتا ہے۔ مادّی افکار میں ڈوبا رہنا انسان کو ازلیت، ابدیت اور ماورائی حقیقت کے بارے میں سوچنے سے روکتا ہے اور اسے یہ خیال نہیں آتا کہ وہ کہاں سے آیا ہے، اب کہاں ہے اور اسے کہاں جانا ہے لیکن جونہی مادّی امور میں ناکامی کے باعث اس میں گریز اور بیزاری کی کیفیت پیدا ہوتی ہے، بھولے ہوئے افکار اپنا راستا ہموار پا کر ابھرنے لگتے ہیں۔ یہ دونوں اسباب ہمیشہ پہلے سبب کی معاونت کے ساتھ لوگوں کو ریاضت کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔ بظاہر جو لوگ ریاضت کا بیڑا اٹھاتے ہیں ان میں سے بعض انہی دو اسباب کے زیر اثر اس میدان کا رُخ کرتے ہیں۔

تبصرہ: خوش قسمتی سے اسلام کی سوچ اور کائنات کے بارے میں اسکا نقطۂ نظر واضح ہے۔ انسان، کائنات اور لذت جوئی کے بارے میں اس کا رویہ بڑا صاف ہے کسی بھی خیال کے بارے میں بآسانی سمجھا جا سکتا ہے کہ یہ خیال کائنات کے متعلق اسلام کے نقطۂ نظر سے ہم آہنگ ہے یا نہیں۔

ہمیں اس بات سے انکار نہیں کہ دنیا کے بعض حصوں میں رہبانیت اور ترک لذات پر عملدر آمد ہوتا رہا ہے اور ہو سکتا ہے کہ بعض جگہ جہاں یہ خیال حاوی رہا ہے، عورت کی ستر پوشی کو اسی خیال کا ثمرہ قرار دیا جائے لیکن اسلام نے عورت کی ستر پوشی کی حدود کا تعین کیا ہے اور کسی جگہ اسکی وجہ اس خیال کو نہیں بتلایا اور نہ کوئی ایسا فلسفہ اسلام کی رُوح اور اسکے قوانین سے مطابقت رکھتا ہے۔

اصولی طور پر اسلام نے ریاضت اور رہبانیت سے متعلق افکار سے جنگ کی ہے اور اس بات کو یورپی مستشرقین نے بھی تسلیم کیا ہے کہ اسلام نے سر کی جُوں کو اللہ کا موتی قرار نہیں دیا ہے بلکہ وہ نظافت کو ایمان کا جزو گردانتا ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک

شخص کو اس حال میں دیکھا کہ اس کے بال بکھرے، کپڑے میلے اور پھٹے ہوئے تھے تو آپ نے فرمایا: اللہ کی نعمتوں سے استفادہ کرنا دین کا حصہ ہے[1] (وسائل، جلد اصفحہ ۲۷۷)۔ آپ نے یہ بھی فرمایا: بدترین بندہ غلیظ انسان ہے[2] (وسائل جلد اصفحہ ۲۷۷)۔ امیرالمومنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام فرماتے ہیں: خداوند عالم جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے[3] (وسائل جلد اصفحہ ۲۷۷)۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: خداوند عالم کی ذات مرقع حسن ہے اور وہ اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس کا بندہ اپنے آپ کو سنوارے اور ستھرا رکھے، اس کے برعکس اسے فقر اور اظہار فقر پسند نہیں۔ آپ نے فرمایا: اگر خداوند عالم نے تمہیں کسی نعمت سے نوازا ہے تو ضروری ہے کہ اس نعمت کا اثر تمہاری زندگی میں ظاہر ہو۔ آپ سے پوچھا گیا کہ خدا کی نعمت کا اثر کیونکر ظاہر ہو تو آپ نے ارشاد فرمایا: تم اپنا لباس صاف ستھرا رکھو، اچھی خوشبو استعمال کرو، اپنے گھر کو سفیدی کرو، گھر کے بیرونی حصہ میں جھاڑو لگاؤ اور غروب آفتاب سے پہلے اپنے گھر میں چراغ روشن کرو کہ اس سے رزق میں اضافہ ہوتا ہے۔ (وسائل جلد اصفحہ ۲۷۸)۔

قدیم ترین کتابوں میں سے ایک ہزار سال پرانی کتاب — کافی میں کہ جو ہماری دسترس میں ہے اَلزِّيُّ وَالتَّجَمُّل کا باب موجود ہے۔ اسلام نے بالوں میں کنگھی کرنے، خوشبو استعمال کرنے اور سر میں تیل ڈالنے کی پرزور تاکید کی ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بعض اصحاب نے بہتر اور بیشتر عبادت کے لیے بیوی بچوں سے کنارا کیا۔ وہ دن بھر روزہ رکھتے اور شب بھر عبادت کرتے تھے۔ جونہی یہ بات پیغمبر اکرمؐ کو معلوم ہوئی آپ نے انہیں ایسا کرنے سے منع فرمایا اور کہا کہ میں تمہارا پیشوا ہوتے ہوئے بھی ایسا نہیں کرتا۔ میں بعض دنوں میں روزہ رکھتا ہوں اور رات کے بعض حصوں میں عبادت کرتا ہوں اور بعض حصوں میں اپنی بیوی کے پاس جاتا ہوں۔ انہیں افراد نے رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے اجازت چاہی تھی کہ وہ اپنے آپ کو جنسی اعتبار سے ناکارہ بنالیں۔ آپ نے انہیں ایسا کرنے سے

---

[1] مِنَ الدِّيْنِ الْمُتْعَةُ
[2] بِئْسَ الْعَبْدُ الْقَاذُوْرَةُ
[3] اِنَّ اللّٰهَ جَمِيْلٌ وَّيُحِبُّ الْجَمَالَ

منع فرمایا اور کہا کہ اسلام ان باتوں کو حرام قرار دیتا ہے۔

ایک دن تین عورتیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس اپنے شوہروں کی شکایات لائیں۔ ایک نے کہا: میرے شوہر نے گوشت کھانا چھوڑ دیا ہے۔ دوسری نے کہا: میرا شوہر خوشبو سے اجتناب کرتا ہے۔ تیسری نے کہا: میرا شوہر عورتوں سے دوری اختیار کرتا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غصے کی اس کیفیت میں کہ ان کی ردا زمین پر گھسٹ رہی تھی، گھر سے مسجد کا رُخ کیا اور منبر پر جلوہ افروز ہو کر فرمایا: آخر کیوں میرے اصحاب میں سے بعض نے گوشت، بعض نے خوشبو اور بعض نے عورتوں سے پرہیز کر رکھا ہے جبکہ میں خود ان تمام چیزوں سے استفادہ کرتا ہوں؟ جو کوئی میری روش سے اعراض کرتا ہے وہ مجھ سے نہیں ہے۔[1]

عربوں میں رائج غیر معمولی لمبی پوشاک کے برخلاف جو زمین پر گھسٹتی چلی جاتی تھی قدرے اونچے لباس کا حکم اس صفائی اور پاکیزگی کی خاطر ہے جو ابتدائی آیات میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئیں: "وَ ثِيَابَكَ فَطَهِّرْ"[2]

اسی طرح سفید پوشاک کے استحباب کی دو وجوہات ہیں۔ ایک خوبصورتی، دوسرے صاف ستھراپن، کیونکہ سفید لباس میل کو زیادہ وضاحت سے نمایاں کرتا ہے۔ اس موضوع کی طرف اور روایتوں میں بھی اشارہ ہوا ہے۔[3]

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب اپنے اصحاب کے پاس جانا چاہتے تھے تو آئینہ دیکھتے، اپنے بالوں کو کنگھی فرماتے اور اپنے آپ کو آراستہ کرتے تھے۔ آپ فرماتے تھے: خداوند عالم کے نزدیک وہ بندہ پسندیدہ ہے جو دوستوں کے پاس جانے سے پہلے اپنے آپ کو آراستہ کرتا ہے۔ (وسائل الشیعہ جلد ۱ صفحہ ۲۷۸)۔

---

[1] محمد بن یعقوب کلینی، کافی جلد ۵ صفحہ ۴۹۶ - شیخ حر عاملی، وسائل الشیعہ جلد ۳ صفحہ ۱۴۔ تجرد کی زندگی گزارنے اور اپنے آپ کو خصّی کرنے کی ممانعت کی روایات کے لیے دیکھیے: صحیح بخاری جلد ۷ صفحات ۴، ۵ اور ۴۰۔ صحیح مسلم جلد ۴ صفحہ ۱۲۹۔ جامع ترمذی صفحہ ۱۷۳ (مطبوعہ ہندوستان)۔

[2] اپنے کپڑوں کو صاف ستھرا رکھیے۔ (سورۂ مدثر۔ آیت ۴)

[3] مثلاً اَلْبِسُوا الْبَيَاضَ فَاِنَّهٗ اَطْيَبُ وَ اَطْهَرُ۔ (وسائل جلد ۱ صفحہ ۲۸۰)

قرآن کریم نے سامان آرائش کو بندوں کے لیے لطف خداوندی قرار دیا ہے اور دنیا کی زینتوں کو اپنے آپ پر حرام قرار دینے کو سختی سے روکا ہے۔[1]

اخبار سے معلوم ہوتا ہے کہ ائمہ اہلبیت علیہم السلام نے اہل تصوف سے بار بار مباحثہ کیا اور ان کے نظریہ کو اسی آیت سے باطل قرار دیا۔ (وسائل الشیعہ جلد ۱ صفحہ ۲۷۹)۔

اسلام نے میاں بیوی کے باہم محظوظ ہونے کی نہ صرف یہ کہ مخالفت نہیں کی ہے بلکہ اس کے لیے اجر و ثواب بھی بتایا ہے۔ مغرب کے باشندوں کے لیے شاید یہ بات حیران کن ہو کہ اسلام نے ایک دوسرے سے دل لگی، شوہر کے لیے بیوی کے سنگھار اور شوہر کا بیوی کے لیے صاف ستھرا رہنے کو مستحب جانا ہے۔ پرانے زمانے میں جب چرچ تمام شہوانی لذائذ کا مخالف تھا تو ان باتوں کو ناجائز بلکہ مذاق سمجھا جاتا تھا۔

اسلام نے غیر ازدواجی صورت میں جنسی لذت اندوزی کو سختی سے منع کیا ہے۔ اس بارے میں اس کا اپنا ایک فلسفہ ہے، جسے ہم بعد میں بیان کریں گے۔ تاہم اس نے جنسی لذت کے قانونی حدود کے اندر رہنے کو اچھا جانا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ عورت کی چاہت انبیاء کی صفات میں سے ہے۔[2]

اسلام میں اس عورت کو سرزنش کی گئی ہے جو شوہر کے لیے اپنے بناؤ سنگھار میں کوتاہی کرتی ہے۔ اسی طرح ان مردوں کی بھی مذمت کی گئی ہے جو اپنی عورتوں کی خوشنودی حاصل نہیں کرتے۔

حسن بن جہم بیان کرتے ہیں کہ میں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ خضاب لگا رہے تھے۔ میں نے عرض کیا: مولا! آپ نے سیاہ خضاب منتخب فرمایا ہے؟ امام علیہ السلام نے فرمایا: ہاں! مرد کی آراستگی اس کی عورت کی پاکدامنی میں اضافے کا باعث ہے۔ بعض عورتیں اپنی عفت اس لیے کھو دیتی ہیں کہ ان کے مرد اپنے آپ کو آراستہ نہیں رکھتے۔ (کافی جلد ۵ صفحہ ۵۶۷)۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ حدیث نقل کی گئی ہے کہ نظافت کو ملحوظ رکھو اور یہودیوں کے مشابہ نہ بنو۔[3] اس کے بعد آپ نے فرمایا: یہودی عورتوں نے اس لیے زناکاری اختیار کی کہ

---

[1] کہہ دو لے رسولؐ کہ کس نے پاکیزہ روزی اور خدا کی ان زینتوں کو جسے اس نے اپنے بندوں کے لیے خلق فرمایا ہے حرام قرار دیا ہے۔ (سورۂ اعراف۔ آیت ۳۲)

[2] مِنْ اَخْلَاقِ الْاَنْبِيَآءِ حُبُّ النِّسَآءِ (وسائل الشیعہ جلد ۳ صفحہ ۳)

[3] تَنَظَّفُوْا وَلَا تَشَبَّهُوْا بِالْيَهُوْدِ

ان کے شوہر میلے کچیلے رہتے تھے اور طبیعت ان کی طرف مائل نہیں ہوتی تھی۔ تم اپنے آپ کو صاف ستھرا رکھو تاکہ تمہاری بیویاں تمہاری طرف مائل ہوں۔ (نہج الفصاحۃ)۔

جناب عثمان بن مظعون رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشہور صحابی تھے۔ انھوں نے چاہا کہ وہ بھی راہبوں کی طرح ترکِ دنیا کریں چنانچہ انہوں نے عورت، گھر بار اور لذتوں سے ترک تعلق اختیار کیا۔

ان کی زوجہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا: یا رسول اللہؐ! عثمان نے یہ معمول بنا رکھا ہے کہ دن پورا روزہ رکھتا ہے اور رات پوری عبادت میں بسر کرتا ہے۔ رسول خداؐ کو یہ بات ناگوار گزری اور آپ ان کے پاس پہنچے۔ جنابِ عثمان نماز میں مشغول تھے۔ آپ نے ان کی نماز ختم ہونے کا انتظار کیا۔ جب وہ نماز سے فارغ ہو چکے تو آپ نے فرمایا: اے عثمان! خدا نے مجھے رہبانیت کے لیے نہیں بھیجا۔ میں جس دین کو لیکر آیا ہوں، وہ بہت سیدھا، سچّا اور آسان ہے[1]

مطلب یہ کہ خداوند عالم نے مجھے رہبانیت اور ریاضت کے لیے نہیں بھیجا بلکہ مجھے ایک آسان، فطری اور درگزر کی حامل شریعت کے ساتھ بھیجا ہے۔ میں نماز پڑھتا ہوں، روزہ رکھتا ہوں اور ازواج کے ساتھ اپنے ازدواجی تعلقات بھی استوار رکھتا ہوں۔ جو کوئی میرے دین فطرت کو پسند کرتا ہے اسے چاہیے کہ میری پیروی کرے۔ ازدواج میری سنتوں میں سے ایک سنت ہے۔

عدم تحفّظ اور عدم عدالت

پردے کے ظہور کا ایک اور سبب عدم تحفظ بیان کیا گیا ہے۔ زمانۂ قدیم میں ناانصافی اور عدم تحفظ کے واقعات کی بھرمار تھی۔ لوگوں کی جان، مال اور ناموس طاقتوروں سے محفوظ نہیں تھی۔ صاحبان دولت اپنی دولت کو زیرِ زمین دفن کرنے پر مجبور تھے۔ خزانوں کے محفوظ رہنے کا سبب یہ تھا کہ صاحبان ثروت اپنے دفینے کا پتا اس خوف سے اپنے بچوں تک کو نہیں دیتے تھے کہ کہیں

---

[1] لَمْ یُرْسِلْنِی اللّٰہُ تَعَالٰی بِالرَّھْبَانِیَّۃِ، وَلٰکِنْ بَعَثَنِی بِالْحَنِیْفِیَّۃِ السَّھْلَۃِ السَّمْحَۃِ۔ (کافی جلد ۵ صفحہ ۴۹۴)

ان کا راز بچوں کے ذریعے کھل نہ جائے۔ اس طرح کبھی ایسا اتفاق رونما ہوتا کہ باپ ناگہانی موت سے راہیٔ ملک عدم ہوا اور اپنے راز سے کسی بچے کو آگاہ نہیں کر سکا جس کے نتیجے میں اس کی دولت ہمیشہ کے لیے مٹی تلے دب جاتی۔ اُسْتُرْ ذَهَبَكَ وَذِهَابَكَ وَمَذْهَبَكَ کا مشہور مقولہ اسی دور کی پیداوار ہے۔ جس کے معنی ہیں اپنے مال وزر، اپنے سفر اور اپنے عقیدے کو مخفی رکھو۔

جس طرح دولت کو تحفظ حاصل نہیں تھا اسیطرح عورت کی ذات بھی محفوظ نہیں تھی۔ خوبصورت عورتوں کے خاوند اپنی عورتوں کو بڑے لوگوں کی نگاہوں سے محفوظ رکھنے پر مجبور تھے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتے تو اپنی عورتوں کو کھو دیتے تھے۔

ساسانی دور میں ایران اس قسم کے حادثات سے دوچار رہا ہے۔ شہزادے، زرتشتی علماء اور امراء جب بھی کسی گھر میں خوبصورت عورت کا نشان پاتے تو اس گھر میں گھس کر عورت کو اس کے شوہر سے چھین لیتے تھے۔ اس زمانے میں معاملہ پردے کا نہیں بلکہ عورت کو مخفی رکھنے کا تھا تاکہ کسی کو اس کا پتا نہ چلے۔ ولڈ یورنٹ اس سلسلے میں اپنی کتاب تاریخ تمدّن میں قدیم ایران سے متعلق بڑے شرمناک واقعات نقل کرتا ہے۔ کانٹ گوبینو اپنی کتاب ایران میں تین سال میں لکھتا ہے کہ اس وقت ایران میں رائج پردہ دراصل اسلام سے زیادہ قبل از اسلام کے دور سے وابستہ ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ قدیم ایران میں عورتوں کو کوئی تحفظ حاصل نہیں تھا۔

نوشیرواں جسے غلطی سے عادل مشہور کر دیا گیا ہے اسکے بارے میں منقول ہے کہ اس نے اپنے جرنیل کی خوبصورت بیوی سے اس کی غیر موجودگی میں تجاوز کیا۔ جب اس کا خاوند گھر لوٹا تو اس کی بیوی نے اسے سارا ماجرا کہہ سنایا۔ بیچارے خاوند نے سوچا کہ بیوی تو ہاتھ سے گئی ہی لیکن اب اس کی اپنی جان بھی خطرے میں ہے تو اس نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی۔ جب نوشیرواں کو یہ بات معلوم ہوئی کہ جرنیل نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی ہے تو اس نے اس جرنیل سے کہا: میں نے سنا ہے کہ تم ایک خوبصورت باغ کے مالک تھے اور ابھی حال ہی میں تم نے اسے چھوڑ دیا ہے، آخر کیوں؟

جرنیل نے جواب دیا: میں نے اس باغ میں شیر کے پنجوں کے نشان دیکھے۔ مجھے خوف محسوس ہوا کہ کہیں یہ شیر مجھے بھی نہ پھاڑ کھائے۔

نوشیرواں ہنسا اور کہا: فکر نہ کرو، اب شیر وہاں نہیں آئے گا۔

اس عدم تحفظ کا تعلق صرف ایران یا زمانہ قدیم سے مخصوص نہیں۔ آدھی رات کی اذان کا جو حصہ ہم نے داستانِ راستان میں نقل کیا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس طرح کے نہ جانے کتنے واقعات بغداد میں اس وقت رونما ہوئے جب وہاں ترکستان کے لوگوں کی حکومت تھی۔ ماضی قریب میں ایک ایرانی شہزادے نے اصفہان میں اس طرح کی بہت سی زیادتیاں کیں اور اصفہان کے لوگ اس کے دورِ حکومت سے متعلق بہت سے واقعات نقل کرتے ہیں۔

تبصرہ: ہم گزشتہ ادوار کے عدم تحفظ اور ناانصافیوں کے نتیجے میں عورت کی پردہ نشینی کے منکر نہیں ہیں۔ یقیناً پردے اور اس کے متعلق تصورات کی سختی انہی واقعات کا نتیجہ ہے لیکن ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ کیا اسلام میں بھی پردے کا یہی فلسفہ رہا ہے؟

اوّل تو یہ بات درست نہیں کہ ہمارے دور میں عورت کو مکمل تحفظ حاصل ہو گیا ہے۔ اسی یورپ اور امریکہ کی صنعتی دنیا میں جسے ہم غلط طور پر متمدن دنیا کہتے ہیں زنا بالجبر کے واقعات دیکھنے میں آتے ہیں۔ جب متمدن دنیا کی یہ کیفیت ہو تو پھر نیم متمدن یا پورے طور پر وحشی قوموں کی کیا صورت ہوگی۔ جب تک دنیا میں شہوت کی حکومت قائم ہے اس وقت تک ناموس کے تحفظ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ البتہ واقعے کی صورت مختلف ہوتی ہے۔ کبھی فلاں خان صاحب یا فلاں چودھری صاحب اپنے مسلح آدمی بھیج کر کسی عورت کو اٹھا لیتے ہیں اور کبھی کسی محفل کے درمیان اسے اسکے شوہر اور بچوں سے جدا کر دیتے ہیں۔ اس قسم کے حادثات اور اغوا کی وارداتیں ہم آئے دن اخبارات میں پڑھتے رہتے ہیں۔

ایرانی روزنامہ اطلاعات ــ امریکی عورتیں جنسی حملوں کی زد پر ــ کے عنوان سے ایک رپورٹ میں لکھتا ہے:

واشنگٹن (ایسوسی ایٹڈ پریس) امریکی حکومت کو اپنی رپورٹ پیش کرنے والے تین محقق ڈاکٹروں نے کہا ہے کہ امریکہ میں لاس اینجلس وہ مقام ہے جسے زنا بالجبر کے واقعات میں اولیت حاصل ہے اور اس سلسلے میں واشنگٹن تیرھویں نمبر پہ آتا ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ واشنگٹن میں خواتین جنسی حملوں کی زد میں نہیں ہیں بلکہ بات یہ ہے کہ اس شہر میں دوسرے شہروں کی نسبت عورتوں کو زیادہ تحفظ حاصل ہے۔ لاس اینجلس میں ہر ایک لاکھ افراد میں ۵۲ افراد زنا بالجبر کے واقعہ سے دوچار ہوتے ہیں، جبکہ واشنگٹن میں اس کا تناسب ۷/۷۱ ہے۔ نیویارک میں چھ ماہ کے عرصے میں آبروریزی کے

تین ہزار واقعات پولیس کے ہاں درج کرائے گئے ہیں ۔ شکایات درج کرانے والوں میں چھ سال سے ۸۸ سال تک کی عمر کے افراد شامل ہیں لیکن بیشتر شاکیوں کی عمر ۱۴ سال ہے۔(۶۱-۹-۴۷-۱۳۴ شمسی)۔

پس یہ دعویٰ کہ دورِ حاضر میں عورت کو مکمل تحفظ حاصل ہے اور صاحبان عفت و عصمت کو اس بارے میں مطمئن ہونا چاہیے ایک مفروضے کے سوا کچھ بھی نہیں۔

ثانیاً اگر ہم یہ فرض کریں کہ دنیا میں عورت کو مکمل تحفظ حاصل ہوگیا ہے اور اب زنا بالجبر کا وجود باقی نہیں رہا تو ہمیں دیکھنا ہوگا کہ پردے کے بارے میں اسلام کا کیا نظریہ ہے۔ کیا اسے عدم تحفظ کی بنا پر رائج کیا گیا تھا جو آج یہ کہا جا سکے کہ اب جبکہ عورت کو تحفظ حاصل ہوگیا ہے، پردے کو باقی رکھنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔

یقیناً اسلام میں پردے کا سبب عدم تحفظ نہیں ہے۔ ہم اسے پردے کے ظہور کا بنیادی سبب قرار نہیں دے سکتے کیونکہ اسلامی آثار میں نہ تو اسے پردے کا سبب بتایا گیا ہے اور نہ ہی یہ بات تاریخ سے مطابقت رکھتی ہے۔ جاہل عربوں میں پردے کا رواج نہیں تھا لیکن اس کے باوجود انہیں اپنی خاص قبائلی اور بدوی زندگی کے سبب انفرادی تحفظ حاصل تھا یعنی جس وقت ایران میں پردہ رائج تھا اور انفرادی عدم تحفظ اور زنا بالجبر کے واقعات اپنی انتہا کو پہنچے ہوتے تھے، اس وقت عرب قبائل میں اس طرح کی بدفعلی موجود نہیں تھی۔

قبائلی زندگی میں جس تحفظ کی کمی تھی وہ اجتماعی تحفظ تھا اور پردہ اس طرح کے عدم تحفظ کا مداوا نہیں کرسکتا تھا۔ ایک قبیلہ دوسرے قبیلے پر شب خون مارتا اور جو کچھ ہاتھ لگتا لے جاتا۔ اس لوٹ مار میں عورت اور مرد دونوں اسیر ہوتے اور عورت کا پردہ اسے تحفظ نہیں دیتا تھا۔

دور جاہلیت کے عربوں کا رہن سہن، آج کل کی صنعتی زندگی سے بالکل مختلف تھا۔ البتہ ان کا طرز معاشرت اس اعتبار سے دور حاضر ہی کے مانند تھا کہ اس میں زنا اور فحاشی عام بات تھی اور اس میں شوہر دار عورتیں بھی شامل تھیں۔ ایک خاص طرح کی ڈیموکریسی اور استبدادی حکومت کے فقدان کے سبب کسی عورت کو زبردستی اس کے گھر سے باہر نہیں نکالا جاسکتا تھا۔ تاہم یہ فرق قابل ملاحظہ ہے کہ وہ انفرادی عدم تحفظ جو آج کے دور میں ہے اس زمانے میں موجود نہیں تھا۔ یہ بات بھی صحیح نہیں کہ پردے کا حکم اس بنا پر دیا گیا کہ قبائلی زندگی میں عورتیں دست درازی سے محفوظ رہیں۔ چونکہ

عادات واطوار کی بنیاد پر قبائلیوں میں اس طرح کی بات نہیں پائی گئی لہٰذا ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اسلام نے تحفظ کی برقراری کے لیے پردے کا حکم دیا تھا۔

پردے کا بنیادی فلسفہ کچھ اور ہے جسے ہم بعد میں عرض کریں گے۔ فی الحال ہم یہ نہیں کہنا چاہتے کہ مرد کی تجاوز کاریوں سے عورت کے تحفظ کا مسئلہ مطلقاً پیش نظر نہیں رہا ہے۔ آگے چل کر آیۂ جلباب کی تفسیر میں ہم بتائیں گے کہ قرآن مجید نے اسکی اصل پر توجہ دی ہے۔ میں اس بات کا مدعی بھی نہیں ہوں کہ ہمارے اس عہد میں یہ فلسفہ بے معنیٰ ہے اور اس کا تعلق اس دور سے ہے جب عورتوں کو مردوں کی زیادتیوں سے تحفظ حاصل نہیں تھا کیونکہ ترقی یافتہ ممالک میں زنا بالجبر کے واقعات روزمرہ کا معمول ہیں۔

عورت کا استحصال

بعض افراد نے عورت کے پردے کو اقتصادی پہلو سے نسبت دیکر یہ کہا ہے کہ پردہ مرد کے عہد ملکیت کی یادگار ہے۔ مردوں نے عورتوں سے اقتصادی فائدہ حاصل کرنے کے لیے ان کا کنیزوں کی طرح استحصال کیا۔ انہوں نے عورتوں کو اس بات پر مطمئن کرنے کے لیے کہ انکا گھر سے نکلنا معیوب ہے پردے کا تصور انہیں ذہن نشین کرایا اور انہیں گوشہ نشین بنایا۔

اس خیال کو پیش کرنے والوں نے نان نفقہ اور مہر کے مسائل کو بھی عورت پر مرد کی ملکیت کی دلیل قرار دینے کی کوشش کی ہے۔

ایران کے مدنی اور اساسی قوانین پر تنقید کا مصنف لکھتا ہے:

جب ایران کا سول لاء ترتیب دیا جا رہا تھا اسوقت تک بردہ فروشی کا رواج دنیا کے بعض حصوں میں باقی تھا۔ ایران میں اگرچہ ظاہری طور پر یہ رسم ختم ہو چکی تھی لیکن قانون سازوں کے ذہنوں میں بردہ فروشی کا عنصر موجود تھا۔ عورت کو ان دنوں بھاڑے کا ٹٹو سمجھا جاتا تھا۔ اسے مردوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے، اجتماعات میں شرکت کرنے اور سرکاری عہدے تک پہنچنے کا حق نہیں تھا۔ اگر عورت کی آواز کسی نامحرم تک پہنچ جاتی تو وہ اپنے شوہر پر حرام ہو جاتی تھی خلاصہ یہ کہ اس زمانے کے مرد، عورت کو گھرداری کی ایک مشین سمجھتے تھے اور اگر کبھی اتفاقاً وہ گھر سے باہر جانا بھی چاہتی تو اسے سر سے پاؤں تک سیاہ چادر میں لپیٹ کر روانہ کیا جاتا تھا۔" (صفحہ ۲۷)

اس پوری عبارت میں لکھنے والے کی افترا پردازی سے اس کے ذہنی رجحان کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ معلوم نہیں کب اور کہاں اس قانون پر عمل درآمد ہوا تھا کہ اگر عورت کی آواز کوئی نامحرم سن لے تو وہ اپنے شوہر پر حرام ہو جاتی تھی؟ کیا یہ افکار ایک ایسے معاشرے کی پیداوار ہو سکتے ہیں جس کے ذاکر اکثر منبروں سے جناب فاطمہ اور جناب زینب صلواۃ اللہ علیہا کی ان تقریروں کا تذکرہ کرتے رہتے ہیں، جو انہوں نے مسجد نبوی اور کوفہ و شام کے بازاروں میں عوام کے اجتماع میں کی تھیں۔ ایران میں کس اسلامی دور میں عورت مرد کی کنیز رہی ہے۔ سب جانتے ہیں کہ مسلم گھرانوں میں اسلامی احکام کے تحت مرد عورت کا زیادہ خیال رکھتا ہے اور اس کے لیے تمام آسائشیں فراہم کرتا ہے۔ عورت ان گھروں میں ظلم و زیادتی اور تحقیر و اہانت کا شکار رہی ہے جہاں روح اسلام کا فقدان تھا یا اس سے وابستگی کمزور تھی۔

کتنی عجیب بات ہے کہ مصنف مذکور کہتا ہے: "عورت کو مردوں کے ساتھ نشست و برخاست کا حق نہیں تھا۔" میں کہتا ہوں کہ اس کے برعکس صاف ستھرے اسلامی ماحول میں مرد کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ غیر عورت کے ساتھ اپنی بیٹھک جمائے۔ مرد ہمیشہ عورت کو لذتِ دید اور شاد کامی کا ذریعہ قرار دینے میں حریص ہوتا ہے۔ فطرتاً مرد چاہتا ہے کہ اس کے اور عورت کے درمیان کوئی حجاب حائل نہ ہو اور جہاں کہیں حجاب برطرف ہوا وہاں مرد کی جیت اور عورت کی ہار مسلّم ہے۔ آج آزادی اور مساوی حقوق کے خوبصورت نعروں سے مرد عورتوں کو اپنے گھٹیا مقاصد کی تکمیل کے لیے استعمال کر رہا ہے۔ عورت کی اسیری کو ہر کھلی آنکھ دیکھ رہی ہے۔ مرد مادی فوائد کی خاطر عورت کو اپنی مصنوعات کی تشہیر اور اپنے تجارتی مراکز میں ماڈل کے طور پر پیش کر رہا ہے اور عورت اپنی شرافت اور عفت چند ٹکوں کے عوض کھلے عام نیلام کر رہی ہے۔

اس طرح کی نشست و برخاست کا مقصد جس کی مصنف اور اس کے ہم خیال افراد کو تمنا ہے سوائے مرد کی منفعت جوئی کے اور کچھ بھی نہیں۔ سب جانتے ہیں کہ ایسے صاف ستھرے ماحول میں عورتوں کو نشست و برخاست سے اسلامی معاشرے نے منع نہیں کیا جہاں مرد کی عورت سے مادّی غرض وابستہ نہ ہو۔

اس کتاب کے مصنف نے سماجی علوم کے اعتبار سے عورت اور مرد کے باہمی تعلقات

کی تاریخ کو چار ادوار میں تقسیم کیا ہے۔

پہلا دور اشتراک کا دور ہے جس میں مرد اور عورت بغیر کسی قید و شرط کے آپس میں میل ملاپ رکھتے تھے۔ اس دور میں بنیادی طور پر گھریلو زندگی کا تصور موجود نہیں تھا۔

دوسرا دور مرد کی حاکیت کا دور ہے جہاں اسکو عورت پر غلبہ حاصل تھا۔ وہ اسے اپنی ملکیت سمجھتا تھا۔ اس نے عورت کو محض ایک فرمانبردار کنیز کی صورت دے رکھی تھی اور پردہ اسی دور کی یادگار ہے۔

تیسرا دور عورت کی جد و جہد کا دور ہے۔ اس دور میں عورتیں مردوں کی زیادتیوں سے تنگ آکر ان کے مظالم کے خلاف اٹھ کھڑی ہوئیں اور جب ان پر یہ بات واضح ہوگئی کہ مردوں کی سخت گیر طبیعت اتنی آسانی سے انہیں حقوق دینے کے لیے تیار نہیں تو انہوں نے اپنے حقوق کو منوانے کے لیے مردوں کے خلاف بتدریج مہم چلائی۔ اس طرح تنظیموں کا قیام عمل میں آیا جس نے تقریروں اور دیگر ذرائع سے مردوں کا مقابلہ کیا۔ ضمناً جب انہیں یہ بات معلوم ہوئی کہ مردوں کی منہ زوری اس غیر صحت مندانہ تربیت کا نتیجہ ہے جو انہیں بچپن میں اور خاص طور پر لڑکوں اور لڑکیوں کے درمیان ترجیحی روش سے حاصل ہوئی ہے تو انہوں نے تعلیم و تربیت کے عمومی نقائص کو دور کرنے کی طرف توجہ دی۔

چوتھا دور مرد اور عورت کی برابری کا دور ہے جو پہلے دور سے بالکل ملتا جلتا ہے۔ یہ دور انیسویں صدی کے اواخر سے شروع ہوا ہے اور ابھی تک اسے ہمہ گیری حاصل نہیں ہوئی۔

اس منطق کی رو سے عورت کا پردہ مرد کے ہاتھوں عورت کی اسیری سے عبارت ہے۔ اس اسیری کا سبب یہ ہے کہ مرد عورت سے زیادہ سے زیادہ اقتصادی فوائد حاصل کرنا چاہتا ہے۔

تبصرہ : مصنف کی طرف سے ان چار ادوار میں عورت اور مرد کے روابط کی تاریخی تقسیم اس ناکام تقلید کا نتیجہ ہے جسے کمیونزم کے پیروکاروں نے اقتصادی عوامل کو سامنے رکھتے ہوئے پیش کیا ہے۔ یہ موضوع ان کے نزدیک تمام اجتماعی امور کا سنگ بنیاد ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ انسان کے چار تاریخی ادوار (اشتراک۔ طوائف الملوکی ۔ سرمایہ داری ۔ اشتراک) ہیں سے اشتراک کا پہلا دور اور اشتراک کا دوسرا دور مکمل مشابہت رکھتے ہیں۔

زیر بحث کتاب میں عورت کی زندگی کے ادوار سے متعلق مصنف نے جو کچھ کہا ہے، وہ سب کمیونسٹوں

کے اس خیال کی نقل ہے۔ مگر ایسی نقل جو کسی صورت سے ٹھیک نہیں بیٹھتی۔ ہمارے نظریے کے مطابق عورت کی زندگی میں ایسے ادوار کبھی نہیں رہے ہیں اور ان کا وجود بعید از امکان ہے۔ سماجی علوم کی تاریخ کے اعتبار سے پہلے اشتراکی دور کا وجود کسی طور پر درست نہیں۔ سماجی علوم کی تاریخ اب تک کوئی ایسی مثال نہیں پیش کر سکی کہ جس سے وہ یہ بتا سکے کہ نوع بشر میں کوئی ایسا دور بھی گزرا ہے جس میں گھریلو یا خاندانی زندگی کا فقدان رہا ہو۔ ہم ادوار کی اس بحث میں الجھنا نہیں چاہتے بلکہ صرف اس دعوے پر تبصرہ کرنا چاہتے ہیں جس میں کہا گیا ہے کہ عورت کے پردے کا سبب مرد کی ملکیت ہے۔

ہم اس بات کو تمام اقوام میں کلی اصول کے طور پر ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں کہ مرد گزشتہ ادوار میں عورت کو منفعت کی جنس سمجھتا تھا اور اس سے اقتصادی فائدے حاصل کرتا تھا۔

زوجیت سے مربوط محبت ہرگز اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ مرد زبردست طبقہ بن کر عورت کو زیر دست طبقہ شمار کرے، اس پر حکومت کرے اور اس کا استحصال کرے۔ یہ بات بالکل ایسی ہی ہے جیسے ہم یہ کہیں کہ گزشتہ ادوار میں ماں باپ ایک طبقہ بن کر دوسرے طبقہ کی صورت میں اپنی اولاد پر حکومت کرتے اور ان کا استحصال کرتے تھے۔ ماں باپ اور اولاد کے درمیان محبت کی زنجیر اس بات کی نفی کرتی ہے۔ زوجین کے درمیان محبت گزشتہ اقوام میں آج سے زیادہ رہی ہے۔ عورت نے اپنے حسن و جمال کے ذریعے مردوں کے دلوں پر حکومت کی ہے بلکہ انہیں خدمت پر مامور کیا ہے۔ مرد اپنی رضا و رغبت سے عورت کو نان نفقہ فراہم کرتا ہے تاکہ اسے خوش رکھ سکے۔ اس نے عورت کو محاذِ جنگ سے دور رکھ کر خود بال بچوں کی حفاظت کے لیے لڑائی لڑی ہے۔

لیکن ساتھ ہی ہم اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ مرد نے گزشتہ ادوار میں عورتوں اور بچوں پر زیادتی کی ہے اور ان دونوں سے اقتصادی فائدہ حاصل کیا ہے۔ اس نے تو خود اپنے آپ پر بھی ظلم کیا ہے۔ مرد نے از روئے استحصال نہیں بلکہ از روئے جہالت اور تعصب اپنے اوپر اور اپنے بال بچوں پر ظلم کیا۔ اس نے اقتصادی اعتبار سے عورت کی خدمت بھی کی ہے اور اس سے اقتصادی فائدہ بھی حاصل کیا ہے۔ جب کبھی مرد کی طبیعت میں خشونت پیدا ہوئی اور محبت کا زور اس کے وجود میں کم ہوا تو اس نے عورت سے اقتصادی فائدہ اٹھایا لیکن ہم اس کو انیسویں صدی سے قبل کے معاشروں پر محیط ایک کلیہ قرار نہیں دے سکتے۔

عورت کے حقوق کی پامالی، اس کا استحصال اور اس پر ظلم صرف انیسویں صدی سے پہلے کی بات نہیں۔ انیسویں اور بیسویں صدی میں بھی عورت کے حقوق پہلے سے کچھ کم پامال نہیں ہوتے ہیں۔ البتہ جیسا کہ ہم جانتے ہیں استحصالی مقاصد کے تحت اس بات پر منطقی دلائل کا دبیز پردہ ڈال دیا گیا ہے۔

ہمارا موضوع گفتگو اسلام ہے۔ آخر اسلام عورتوں کے لیے پردے کی ضرورت کیوں محسوس کرتا ہے۔ کیا وہ عورت کو اقتصادی اعتبار سے مرد کی خدمت میں حاضر کرنا چاہتا ہے؟

ظاہر ہے کہ اسلام میں پردے کا مقصد یہ نہیں ہے۔ اسلام نے کبھی یہ نہیں چاہا کہ مرد عورت سے اقتصادی فوائد حاصل کرے بلکہ اس نے سختی سے اس کی مخالفت کی ہے۔ اسلام نے صاف طور پر یہ اعلان کیا ہے کہ مرد کو کسی عنوان سے بھی عورت سے اقتصادی فائدے کا حق حاصل نہیں ہے۔ یہ مسئلہ کہ عورت اقتصادی آزادی کی حامل ہے، اسلام کے مسلّمات میں سے ہے۔ عورت کا کام اسلام کے نقطۂ نظر سے خود اس سے وابستہ ہے۔ عورت چاہے تو گھر کے کام نیک عملی کے طور پر بلا معاوضہ انجام دے سکتی ہے وگرنہ مرد کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اسے مجبور کرے، یہاں تک کہ اسلام دودھ پلائی کے مسئلے میں بھی باوجود اس کے کہ یہ عمل زوجہ کے فرائض میں شامل ہے، اس کے حق اجرت کو ساقط نہیں کرتا یعنی اگر ماں بالفرض ایک ہزار روپے کے عوض اپنے بچے کو دودھ پلانا چاہتی ہے اور ایک دایہ بھی اس کام کے لیے اتنا ہی معاوضہ طلب کرتی ہے تو شوہر پر لازم ہے کہ وہ اپنی زوجہ کو مقدم رکھے۔ باپ فقط اس صورت میں بچے کو دایہ کے سپرد کر سکتا ہے جب بچے کی ماں دایہ سے زیادہ رقم طلب کرے۔ عورت اپنے لیے ہر کام کا انتخاب کر سکتی ہے۔ مگر یہ کہ وہ کام گھریلو زندگی اور ازدواجی حقوق پر اثر انداز نہ ہو۔ مزید یہ کہ اس سے حاصل ہونے والی آمدنی بھی پورے طور پر اسکی اپنی ہوگی۔

اسلام میں پردہ اگر عورت کے اقتصادی استحصال سے عبارت ہوتا تو وہ عورت کو مرد کی بیگار کے لیے مقرر کرتا۔ یہ بات قرین عقل نہیں ہے کہ اسلام ایک طرف تو عورت کی اقتصادی آزادی کا قائل ہو اور دوسری طرف اس کے استحصال کے لیے پردے کا حکم دے۔ پس اسلام کا ہرگز یہ منشا نہیں تھا۔

حسادت مرد

اسباب پردہ کے ایک اور پہلو کا ذکر کیا گیا ہے جو اخلاقیات سے متعلق ہے۔ یہاں بھی سابقہ

نظریے کی طرح پردے کا سبب مرد کا تسلّط اور عورت کی مجبوری بتایا گیا ہے، مگر اس فرق کے ساتھ کہ یہاں اقتصادیات کی بجائے اخلاقیات کی بات کی گئی ہے اور کہا گیا ہے کہ مرد کا عورت کو یوں اسیر بنائے رکھنے کا سبب یہ ہے کہ اس میں دوسرے مردوں کے لیے حسد کا عنصر پایا جاتا ہے۔ وہ یہ نہیں چاہتا کہ کوئی دوسرا مرد اس کے گھر میں رہنے والی عورت پر نظر ڈالے یا اس سے ہمکلام ہو۔

اس نظریے کے حامیوں کے مطابق دینی قوانین نے اگرچہ دوسرے معاملات میں خودغرضی کے ساتھ جنگ کی ہے۔ مگر اس معاملے میں اس نے مردوں کی خودخواہی کو قرین صحت جانا ہے۔

برٹرینڈ رسّل کہتا ہے: "انسان مال و متاع کے معاملے میں خودخواہی اور بخل پر کسی حد تک غلبہ حاصل کر سکا ہے لیکن عورت کے بارے میں اس کی یہ کوشش ناکام رہی ہے۔"

رسّل کے ہاں غیرت کوئی قابلِ تعریف صفت نہیں بلکہ ایک طرح کا بخل ہے۔

رسّل کے بیان کا مطلب یہ ہے کہ اگر بخشش دولت کے بارے میں اچھی ہے تو عورت کے بارے میں بھی اچھی ہونی چاہیے۔ بخل، تنگ نظری اور حسد اگر مال کے لیے مذموم ہے تو عورت کے لیے کیونکر مستحسن ہوسکتی ہے۔

یہ کیا بات ہوئی کہ دوسروں کو کھانا کھلانا اور ایثار کرنا اقتصادی اخلاق میں قابلِ تعریف ہے لیکن یہی ایثار اور دوسروں کو مسرت بخشنا جنسی اخلاق میں مذموم ہے؟ رسّل جیسوں کی سوچ میں اس قسم کی تبدیلی کی کوئی معقول وجہ نہیں ہے کہ اخلاق جنسی امور میں انسان کی خودخواہی پر غلبہ حاصل نہ کر سکا بلکہ اس کے برعکس وہ خودپرستی کا شکار ہوا اور اس نے اپنی پستی کو مرد کی جانب سے غیرت اور عورت کی جانب سے پردے کا نام دیکر اسے اخلاق حسنہ کے عنوان سے قبول کیا ہے۔

تبصرہ: ہماری نظر میں مرد عورت کی پاکدامنی کا خواہاں ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ اس کی بیوی پاکدامن ہو۔ تاہم عورت بھی اپنے آپ کو اس صفت سے متصف رکھنا چاہتی ہے۔ اس کی حساس طبیعت میں یہ رجحان پایا جاتا ہے کہ اس کا شوہر کسی دوسری عورت سے تعلقات نہ رکھے لیکن ہمارے خیال میں اس رجحان کا تعلق کسی اور بات سے ہے، حالانکہ مرد کا رجحان بھی کچھ اسی طرح کا ہے۔ تاہم ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ مرد میں جو جذبات پائے جاتے ہیں، ان کا منشا یا تو غیرت ہے یا غیرت اور حسد کا ایک آمیزہ لیکن عورت کے وجود میں صرف حسد کا دخل ہے۔

ہم مرد میں پاکدامنی کی ضرورت اور میاں بیوی کے درمیان اس کی اہمیت کے بارے میں گفتگو کرنا نہیں چاہتے۔ فی الحال ہماری گفتگو مرد میں پائے جانے والے اس احساس سے متعلق ہے جسے غیرت کہا جاتا ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ کیا غیرت حسد کا دوسرا نام ہے یا پھر یہ کوئی اور حقیقت ہے۔ دوسرے یہ کہ کیا مرد کے احساس غیرت کا احترام اسلامی پردے کی اساس ہے یا اس کی وجوہات کچھ اور ہیں۔

ہمارے خیال میں غیرت اور حسد دو الگ الگ صفات ہیں اور ہر ایک کی بنیاد مختلف ہے۔ حسد خود خواہی اور ذاتی جذبات کی پیداوار ہے جبکہ غیرت نوعی اور اجتماعی احساس سے جنم لیتی ہے اور اس کی افادیت اور اس کا رخ ہمیشہ دوسروں کی طرف ہوتا ہے۔

غیرت ایک طرح کی محافظت ہے جسے خالق بشر نے نسلوں کی شناخت اور انہیں اختلاط سے بچانے کے لیے انسان کے وجود میں رکھا ہے۔ دوسروں سے اپنی عورت کے میل ملاپ کے سلسلے میں مرد کی غیر معمولی حساسیت کا راز یہ ہے کہ فطرت نے اسے آئندہ نسل میں نسب کی حفاظت کی ذمہ داری سونپی ہے اور یہ احساس چاہت کے اس احساس کی طرح ہے جو ایک باپ اپنے بیٹے کی نسبت رکھتا ہے۔ سب جانتے ہیں کہ اولاد کے سلسلے میں ماں باپ کو کتنے دکھوں اور خرچوں کا بار اٹھانا پڑتا ہے۔ اگر انسان میں اپنی اولاد کے لیے غیر معمولی محبت کا جذبہ نہ ہوتا تو وہ کبھی توالد و تناسل اور حفاظت نسل کے لیے اقدام نہ کرتا۔ اسی طرح اگر مرد میں یہ غیرت نہ ہوتی کہ وہ اس کھیتی کی حفاظت کرے جس میں اسے بیج بونا ہے تو نسلوں کا رابطہ کلی طور پر ایک دوسرے سے منقطع ہو جاتا اور کوئی باپ اپنی اولاد اور کوئی بچہ اپنے باپ کی شناخت نہیں کر سکتا تھا۔ رابطے کا یہ انقطاع انسان کے اجتماعی شعور کو متزلزل کرتا ہے۔

خود خواہی کے خلاف برسرپیکار ہونے کے لیے انسان کو غیرت سے دستبردار ہونے کی رائے دینا بالکل ایسا ہی ہے جیسے یہ کہا جائے کہ اولاد سے رغبت کے جذبے کو بلکہ کلی طور پر انسانی رحم کے جذبے کو اس لیے چھوڑ دیا جائے کہ وہ ایک نفسانی خواہش کا نتیجہ ہے حالانکہ نچلے درجہ کی نفسانی خواہشات سے اس کا کوئی تعلق نہیں بلکہ یہ تو ایک بلند پایہ خواہش ہے۔ نسل کے تحفظ کی خواہش عورت میں بھی موجود ہے لیکن وہاں کسی محافظ کی ضرورت نہیں۔ اس لیے کہ ماں سے اولاد کی نسبت ہمیشہ محفوظ ہے اور اس میں شبہ کی گنجائش نہیں اور یہیں سے سمجھا جا سکتا ہے کہ ایک بیوی کا اپنے شوہر سے دیگر عورتوں کیساتھ ربط ضبط رکھنے کے معاملے میں حساس ہونا مرد کے اس معاملے میں حساس ہونے سے مختلف ہے۔ عورت

کی حساسیت یا اس کے جذبے کو ہم اس کی خود پسندی سے تعبیر کر سکتے ہیں لیکن مرد کی غیرت نوعی اور اجتماعی پہلو کی حامل ہے۔ ہم مرد کی حسادت اور خود پسندی کے منکر نہیں۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ اگر بالفرض مرد حسد کے جذبے کو قوت اخلاق سے ختم کر دے، تب بھی اس میں ایک طرح کا اجتماعی احساس موجزن ہو گا جو اسے اس بات کی اجازت نہیں دے گا کہ اس کی بیوی کسی غیر مرد سے تعلقات رکھے۔ مرد کی حساسیت کو صرف حسد کے جذبے تک منحصر کرنا ہمارے نزدیک بالکل غلط اور ناقابل قبول ہے۔

بعض روایتوں میں بھی اس بات کا اشارہ ملتا ہے کہ مردوں میں غیرت اور عورتوں میں حسد کا جذبہ پایا جاتا ہے۔

اس مفہوم کی وضاحت کے لیے ایک نکتے کا اضافہ کیا جا سکتا ہے اور وہ یہ کہ عورت ہمیشہ یہ چاہتی ہے کہ وہ مرد کی "مطلوب" بن کر رہے۔ اس کی دلربائی اور خود نمائی کا مقصد مرد کو اپنی طرف کھینچنا ہے۔ عورت وصال سے زیادہ مرد کے فریفتہ ہونے کی خواہشمند ہے۔ ایک عورت دوسری عورتوں سے مرد کے میل ملاپ کی اس لیے مخالف ہے کہ وہ مطلوبیت کے مقام کو صرف اپنے تک محدود رکھنا چاہتی ہے لیکن مرد کے لیے یہ صورت نہیں۔ اس کی سرشت میں یہ خود پسندی نہیں پائی جاتی لہٰذا اگر وہ اپنی عورت کو دوسرے مردوں سے باز رکھتا ہے تو اس کا سبب وہی محافظتِ نسل ہے۔

عورت کو مال و دولت پر بھی قیاس نہیں کرنا چاہیے۔ مال خرچ کرنے سے ختم ہو جاتا ہے اور اسی لیے جھگڑے کا سبب بنتا ہے۔ انسان خود خواہی کے سبب دوسروں کے لیے اس سے استفادے کی راہ روک دیتا ہے لیکن ایک شخص کی جنسی آرزو کی تکمیل دوسروں کے استفادے کی راہ میں حائل نہیں ہے اور یہاں ذخیرہ اندوزی کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔

انسان کی کیفیت یہ ہے کہ وہ جتنا شہوت کے گرداب میں اترتا جائے گا اتنا اخلاق، نیکی اور پاکیزگی کی صفات اس میں کم ہوتی جائیں گی۔ غیرت کا احساس اس میں کمزور پڑتا جائے گا۔ اگر لذت پرست لوگوں کی بیویاں دوسروں کے تصرف میں آئیں تو ان کو تکلیف نہیں ہوتی بلکہ وہ اس سے محظوظ ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس وہ لوگ جو اپنی نفسانی خواہشوں سے جنگ کرتے ہیں، لالچ اور مادہ پرستی ان کے وجود سے ختم ہونے لگتی ہے۔ وہ صحیح معنوں میں انسان اور انسان دوست بن جاتے ہیں۔ وہ اپنے آپ کو خدمت خلق کے لیے وقف کر دیتے ہیں اور اپنے ہم جنسوں کی خدمت کا جذبہ ان میں جاگ اٹھتا ہے۔

ایسے افراد زیادہ غیرت مند اور اپنی بیویوں کے بارے میں زیادہ حساس ہوتے ہیں اور دوسروں کی بیویاں بھی ان کے نزدیک قابل احترام ہوتی ہیں۔ ان کا ضمیر اجازت نہیں دیتا کہ قوم کی بیٹیاں دست درازی کا شکار ہوں کیونکہ قوم کی ساری بیٹیاں ان کی بیٹیاں بن جاتی ہیں۔

امام علی علیہ السلام فرماتے ہیں: "ایک شریف اور غیور آدمی ہرگز زنا کا مرتکب نہیں ہوتا"۔[1]

آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ ایک حاسد زنا نہیں کرتا بلکہ فرمایا غیرت مند زنا نہیں کرتا، کیوں؟ اس لیے کہ غیرت قوم کی طہارت کے باب میں انسانی شرافت کا نام ہے۔ ایک غیرت مند انسان جس طرح اپنی ناموس کو آلودہ دیکھنا گوارا نہیں کرتا اسی طرح قوم کی ناموس کو آلودہ دیکھنا بھی پسند نہیں کرتا۔ کیونکہ غیرت حسد سے مختلف چیز ہے۔ حسد ذاتی اور باطنی شے ہے جبکہ غیرت انسانی احساس سے جنم لیتی ہے۔

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ غیرت خود پرستی سے وجود میں نہیں آتی بلکہ یہ وہ احساس ہے جسے فطرت نے گھریلو زندگی کے استحکام کے لیے ودیعت کیا ہے اور یہ زندگی مصنوعی نہیں بلکہ فطری زندگی سے عبارت ہے۔

اس بات کا کہ پردے سے اسلام کا مقصد مرد کے احساس غیرت کا احترام ہے یا نہیں، جواب یہ ہے کہ بے شک اسلام کے پیش نظر احساس غیرت کا وہ فلسفہ ہے جس میں نسل کی پاکیزگی کا تحفظ ہے لیکن اسلام میں صرف یہی ایک بات پردے کا سبب نہیں بنی ہے۔

عورت کے مخصوص ایام

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ عورتوں کا پردہ اور ان کی گوشہ نشینی نفسیاتی معاملہ ہے۔ عورت شروع سے اپنے اندر کمتری کا احساس پاتی ہے اور اس کی دو وجوہات ہیں۔ ایک اس کے عضوی نقص کا احساس اور دوسرے اس خون کا جو ماہواری، زچگی یا ازالۂ بکارت کے وقت نکلتا ہے۔

ماہانہ عادت کو نقص سمجھنے کی بات نوع بشر میں بہت پہلے سے موجود رہی ہے۔ اسی لیے عورتیں اپنے ان مخصوص ایام میں ایک پلید شے کی طرح کسی کونے میں محبوس رہی ہیں اور ان

---

[1] مَا زَنٰی غَیُوْرٌ قَطُّ۔ نہج البلاغہ حکمت ۳۰۵

سے پرہیز کیا جاتا رہا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس بارے میں سوال کیا گیا لیکن جو آیت اس کے جواب میں نازل ہوئی وہ یہ نہیں تھی کہ حیض پلیدی ہے اور حائض پلید ہے لہٰذا اس سے معاشرت نہ کی جائے بلکہ یہ جواب آیا کہ حیض ایک طرح کی جسمانی بیماری ہے اور اس بیماری کے دوران اس سے مباشرت نہ کی جائے۔

"اے رسولؐ! آپ سے حیض کے بارے میں جو سوال کیا جاتا ہے، اس کے جواب میں کہیے کہ یہ ایک طرح کی بیماری [1] ہے۔ پس اس بیماری کے دوران وہ عورتوں سے قربت اختیار نہ کریں۔" (سورۂ بقرہ۔ آیت ۲۲۲)۔ [2]

قرآن نے اس کیفیت کو دوسری بیماریوں کی طرح ایک بیماری کہہ کر پلیدی کا تصور باطل کر دیا ہے۔ سنن ابوداؤد میں اس آیت کی شان نزول یوں بیان کی گئی ہے:

انس بن مالک نقل کرتے ہیں کہ یہودی اپنی عورتوں کو دوران حیض گھر سے باہر نکال دیا کرتے اور ان کے ساتھ کھانا پینا ترک کر دیتے تھے۔ لہٰذا جب اس بارے میں رسول خداؐ سے سوال کیا گیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ آپ نے ان سے دوری اختیار کرنے سے منع فرمایا اور کہا کہ ان سے مباشرت کے سوا اور کوئی ممانعت نہیں۔ (جلد ا صفحہ ۴۹۹)

---

[1] هُوَ اَذًى: یعنی وہ ایک مُضر چیز ہے۔ دراصل یہ جملہ ایام حیض میں عورتوں سے مباشرت کی ممانعت کا فلسفہ بیان کرتا ہے۔ چونکہ اس حالت میں عورتوں سے مباشرت بذات خود کراہت کا سبب ہے اور اس سے کئی ایک بیماریوں کے پیدا ہونے کا احتمال ہوتا ہے۔ اس بات کی تائید طبی تحقیقات سے بھی ہوئی ہے۔ ان بیماریوں میں سے چند ایک یہ ہیں: مرد و زن کے تناسل سے عاری ہو جانے کا امکان۔ آتشک اور سوزاک کے جراثیم کی افزائش۔ عورت کے اندام نہانی میں حرارت کا غیر ضروری اضافہ۔ مرد کے عضو تناسل میں خون حیض کے ساتھ مہلک جراثیم کا داخل ہو جانا اور ایسی ہی دیگر بیماریاں جن کا تذکرہ طبی کتابوں میں پایا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اطباء عام طور پر حائض عورتوں کے ساتھ مباشرت سے منع کرتے ہیں چونکہ عورت کے رحم میں بعض رطوبتیں جم جاتی ہیں اور خون حیض کا اجرا انہی جمی ہوئی رطوبتوں کے اخراج کے لیے ہوتا ہے۔

[2] يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ قُلْ هُوَ اَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ۔

اسلام کے نقطۂ نظر سے حائض فقہی اصطلاح میں محدث ہے۔ فاقد الغسل یا وضو شخص محدث ہوتا ہے اور اس پر اس حال میں نماز روزہ جیسی عبادت حرام ہوتی ہے۔

حدث ایک ایسی ناپاکی ہے جو طہارت (وضو یا غسل) سے دور ہو جاتی ہے۔ اس اعتبار سے ہم حیض کو بھی جنابت، احتلام اور پیشاب کی طرح نجس سمجھ سکتے ہیں لیکن اس طرح کی نجاست اولاً تو صرف عورت سے مخصوص نہیں ہے اور ثانیاً وہ غسل یا وضو سے دور ہو جاتی ہے۔

زرتشتیوں اور یہودیوں میں حائض عورت کو ایک ایسی پلید شے سمجھا جاتا تھا جو انتہائی قابل نفرت ہو۔

اس طرز عمل نے عورت اور مرد دونوں میں اس احساس کو پیدا کیا کہ عورت ایک پست اور ناپاک ذات ہے۔ خاص طور پر عورت اس حالت میں اپنے اندر احساس شرم اور احساس نقص کرتی اور لوگوں کی نظروں سے اپنے آپ کو چھپائے رکھتی تھی۔

ہم پہلے ولڈیورنٹ کی بات نقل کر چکے ہیں کہ اس نے کہا: "داریوش کے بعد عورت کا مقام خاص طور پر سرمایہ دار طبقے میں پست ہو گیا۔ معاشی طور پر بدحال عورتوں کو چونکہ کام کاج کے سلسلے میں لوگوں کے درمیان آنا پڑتا تھا اس لیے ان کی آزادی برقرار رہی لیکن دوسری عورتوں پر چونکہ اپنے مہینے کے خاص دنوں میں گوشہ نشینی لازم قرار پائی تھی۔ لہٰذا آہستہ آہستہ گوشہ نشینی کے اس وقفہ نے ان کے لیے وسعت اختیار کی اور ان کی پوری اجتماعی زندگی اس کی لپیٹ میں آ گئی۔"

وہ یہ بھی کہتا ہے: "عورت کو پہلے پہل شرم و حیا کا احساس اس وقت ہوا جب اسے یہ بات معلوم ہوئی کہ حالت حیض میں مرد کے ساتھ اس کی یکجائی ممنوع ہے۔"

عورت کے احساس نقص اور اس کی پستی کے موضوع پر بہت کچھ کہا گیا ہے۔ یہ باتیں درست ہوں یا نادرست، عورت اور پردے کے بارے میں اسلامی فلسفہ سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اسلام نے نہ حیض کو عورت کی پستی کا سبب جانا ہے اور نہ ہی پردہ کو اس پستی کے لیے عنوان قرار دیا ہے۔

قدرومنزلت میں اضافہ

اب تک ہم نے پردے کے رواج کے جن اسباب کا ذکر کیا ہے وہ سب کم وبیش پردے کے مخالفین کے بیان کیے ہوئے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یہاں ایک بنیادی سبب نظرانداز ہوگیا ہے۔ ہماری رائے میں مردوں اور عورتوں کے ایک دوسرے سے علٰحدہ رہنے اور عورتوں کے پردہ کرنیکی وجہ نہ رہبانیت کا جذبہ ہے نہ مرد کی عورت کو دبا کر رکھنے کی خواہش، نہ مرد کا حسد نہ معاشرتی عدم تحفظ اور نہ زنانہ عادات۔ ان اسباب کی زیادہ سے زیادہ ثانوی نوعیت ہوسکتی ہے۔ اصل سبب کی جستجو کے لیے عورت کی اس مخصوص فطرت کا مطالعہ کرنا چاہیے جس کی تعمیر بڑے ماہرانہ انداز میں کی گئی ہے۔ یہ تمام تر بحث عورت کی حیا، عفت اور اسکے جنسی اخلاق کے بارے میں ہے اور اس میں عورت کی اپنے آپ کو مرد سے چھپانے کی خواہش کا مسئلہ زیر گفتگو ہے۔ اس سلسلے میں کچھ نظریات پیش کیے گئے ہیں۔

ان میں سب سے زیادہ قابل توجہ یہ نظریہ ہے کہ شرم وحیا اور پردہ وہ تدبیر ہے جسے عورت نے خود مرد کے آگے اپنا وقار بڑھانے اور اپنے تحفظ کے لیے اختیار کیا ہے۔ اس نے اپنی ہوشمندی اور خداداد احساس سے یہ بات جان لی ہے کہ وہ جسمانی اعتبار سے مرد کے ہم پلہ نہیں ہوسکتی اور اس کے مقابل نہیں آسکتی لیکن اس کے ساتھ ہی اسے مرد کی اس کمزوری (یعنی عورت کی چاہت) کا بھی علم ہوگیا ہے جسے قدرت نے مرد کے وجود میں نہاں رکھا ہے۔ اس نے مرد کو عشق ومحبت اور عورت کو حسن ونزاکت کا مظہر قرار دیا ہے۔ مرد فطرتاً رغبت کرنے والا خلق ہوا ہے۔

بقول ول ڈیورنٹ: "ازدواج مردوں میں حصول لذت اور عورتوں میں دلربائی کے لیے سپردگی سے عبارت ہے۔ مرد فطرتاً جنگجو اور شکاری جانور ہے۔ جس کا کام جھپٹنا ہے۔ عورت، مرد کے لیے ایک انعامی جنس ہے، جس کو اسے حاصل کرنا ہوتا ہے۔"

جب عورت کو مرد کے مقابل اپنی ہستی کا علم ہوا اور اس نے مرد کی کمزوری کو جانا تو اس نے مرد کو قابو کرنے کے لیے جس سج دھج کے ساتھ خود کو سنوارا، اسی طرح خود کو اس سے دور رکھنے کی تدبیر بھی کی۔ اس نے سمجھ لیا کہ اسے اپنے وقار کی حفاظت کرنا چاہیے اور مرد کے وصال کی آگ کو تیز کرکے اپنے مقام کو بلند کرنا چاہیے۔

ولڈیورنٹ کہتا ہے: "حیا فطری نہیں بلکہ ارادی عمل ہے۔ عورتوں نے یہ محسوس کیا کہ ہاتھ بڑھانا اور دل لگی کرنا رسوائی کا موجب ہے۔ چنانچہ یہی بات وہ اپنی بیٹیوں کے ذہن نشین کراتی رہیں"

وہ مزید کہتا ہے: "اظہار محبت سے اپنے آپ کو روکنا اور سپردگی میں امساک، مردوں کو شکار کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ اگر انسان کے پوشیدہ اعضاء کی نمائش کی جائے تو لامحالہ ہماری توجہ اس طرف جائے گی مگر طبیعت اس طرف کم ہی راغب ہوگی۔ نوجوان آدمی با حیا آنکھوں کے درپے ہے۔ وہ انجانے میں یہ محسوس کرتا ہے کہ خودداری دلربائی کا ایک انداز ہے۔"

خود ہمارے مشہور عارف اور نازک خیال شاعر مولوی نے اس ضمن میں ایک بڑی انوکھی اور بلند پایہ تشبیہ استعمال کی ہے۔ پہلے مرد پر عورت کی اخلاقی حکمرانی کے بارے میں کہتے ہیں:

زُیِّنَ لِلنّاس حق آراستہ است　　ز انچہ آراستہ است چوں تا ندرست

(جیسا کہ قرآن میں ہے حق تعالیٰ نے عورتوں کو مردوں کے لیے دلکش بنایا ہے اور جب حق تعالیٰ نے دلکش بنایا ہے تو مرد ان سے کیسے بچ سکتے ہیں؟)

چوں پئے یَسْکُنَ اِلَیْھا ش آفرید　　کے تو اند آدم از حوا برید

(جب حق تعالیٰ نے حوا کو اس لیے پیدا کیا کہ آدم کو سکون نصیب ہو اور اس کا دل لگے تو آدم حوا سے کیسے جدا ہو سکتا ہے)۔

رستم زال اربود و ز حمزہ بیش　　ہست درفرمانِ اسیرِ زال خویش

(کوئی رستم زال ہو یا حمزہ سے زیادہ بہادر، وہ بہرصورت اپنی بیوی کے تابع فرمان ہے۔)

آنکہ عالم مست گفتارش بدی　　کلّمینی یا حُمیرا می زدی

وہ جن کی گفتگو سارے عالم کو مسحور کرتی تھی، وہ بھی کلمینی یا حمیرا پکارتے تھے یعنی حمیرا مجھ سے بات کرو۔)

اس کے بعد مولوی ایک اچھوتی مثال کے ذریعے اس کو واضح کرتے ہیں کہ عورتوں اور مردوں کی علحدگی اور ان میں عدم اختلاط کس طرح عورت کی محبوبیت میں اضافہ کرتے ہیں، اسکی قدر و منزلت کو بڑھاتے ہیں اور مرد کے دل کو گداز کر کے اسکی آتش شوق کو بھڑکاتے ہیں۔ ایک نہایت لطیف مثال دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

آب غالب شد بر آتش از لہیب   ز آتش او جوشد جو باشد در "حجیب"
چونکہ دیگی حائل آمد آں دو را   نیست کرد آں آب را کردش ہوا

(اگر پانی اور آگ کے درمیان سے رکاوٹ ہٹادی جائے تو پانی آگ پر غلبہ پاکر اسے بجھادیگا لیکن اگر ان دونوں کے درمیان رکاوٹ حائل رہے تو اس وقت آگ پانی پر اثر ڈالیگی اور اسے جوش میں لائیگی یہاں تک کہ سارا پانی بھاپ میں تبدیل ہو جائے۔)

ابتدا میں پیدا ہونے والے تصور کے خلاف مرد ہرجائی عورت کو اچھی نگاہ سے نہیں دیکھتا۔ اس نے اپنی نسبت عورت کی بے اعتنائی کو سراہا ہے۔

ابن العفیف کہتا ہے: تیرا اظہار نفرت کرنا ہی تیری محبت کی دلیل ہے۔ کتنی عجیب بات ہے کہ تیرے غصہ میں تیری رضا چھپی ہے۔[1]

نظامی کہتا ہے:

چہ خوش نازیست ناز خوبرویاں   ز دیدہ رانده را از دیده جویاں

مجموعی طور پر ایک کے فراق اور دوسرے کے عشق کے درمیان ایک رابطہ ہے۔ بالکل ایسا رابطہ جیسا عشق وسوز اور حسن وفن کے درمیان پایا جاتا ہے۔ گویا عشق فراق کے دامن میں پرورش پاتا ہے اور حسن عشق کی گود میں پلتا ہے۔

برٹرینڈرسل کہتا ہے:

"یہ بات قابل افسوس ہے کہ عورت آسانی سے حاصل ہو جائے۔ زیادہ بہتر یہ ہے کہ عورت کے وصال میں دشواری حائل ہو۔ تاہم یہ دشواری غیر ممکن صورت اختیار نہ کرے۔"

وہ یہ بھی کہتا ہے: "جہاں اخلاقیات پوری طرح آزاد ہوں وہاں عاشقانہ شاعری کرنیوالا شاید ہی اپنے بلند پایہ خیالات کے اظہار کا خواہاں ہوتا ہے کیونکہ اسے جدوجہد اور انتظار کے بغیر بڑی آسانی سے محبوب سے وصل کا موقع مل جاتا ہے۔

ولڈیورنٹ لذائذ فلسفہ PLEASURES OF PHILOSOPHY میں کہتا ہے:

"جو چیز ہم تلاش کریں اور ہمیں نہ ملے وہ ہمارے لیے زیادہ پیاری اور زیادہ قیمتی ہو جاتی ہے۔

---

[1] تُبْدِی النِّفَارَ دَلَالًا وَّھِیَ آنِسَۃٌ   یَا حُسْنَ مَعْنَی الرِّضَا فِیْ صُوْرَۃِ الْغَضَبِ

خوبصورتی کا تعلق رغبت سے ہے اور رغبت قناعت کرنے سے بڑھ جاتی ہے۔" سب سے زیادہ تعجب خیز بات الفرڈ ہچکاک[1] کی ہے جسے عورتوں کے ایک مجلہ نے نقل کیا ہے۔ وہ کہتا ہے:

"میرا خیال ہے کہ عورت بھی مرد کے لیے ایک سنسنی خیز ایڈونچر فلم کی مانند ہونی چاہیے جس کے کھوج کے لیے مرد کو اپنی قوت تخیل صرف کرنا پڑے۔ عورتوں کو ہمیشہ یہی روش اختیار کرنی چاہیے تاکہ مردوں کو ان کے بارے میں کھوج کے لیے زیادہ زحمتوں کا سامنا کرنا پڑے۔"

یہی مجلہ اپنے ایک شمارے میں اسی شخص سے کہ جسے وہ فلم سازی کے ناتے عورتوں کے بارے میں سب سے زیادہ معلومات کا حامل قرار دیتا ہے، یہ بات نقل کرتا ہے:

"مشرقی عورتیں چند سال پہلے تک چہرے پر نقاب ڈالنے کے سبب خود بخود پرکشش دکھائی دیتی تھیں لیکن ان ممالک کی عورتوں نے مغربی عورتوں کی برابری میں بتدریج کوششیں جاری رکھ کر اس پردے کو برطرف کیا جو کل تک ان کا طرۂ امتیاز تھا اور اسی کے ساتھ ان کی جاذبیت بھی مدھم پڑ گئی ہے۔"

کہا جاتا ہے: "آرزومندی دُوری کی پیداوار ہے۔" یہ سچ ہے لیکن یہ بھی سچ ہے کہ "دُوری آرزومندی کی پیداوار ہے۔"

آج یورپ اور امریکہ میں جس خلا کو شدّت سے محسوس کیا جا رہا ہے وہ محبت اور چاہت کا خلا ہے۔ یورپی مفکّرین کی تحریروں میں یہ نکتہ بہت زیادہ مطالعہ میں آتا ہے کہ آج کے دور میں عورتوں اور مردوں کی بے جا آزادی اور آوارگی نے عشق و محبت کو بھینٹ چڑھا دیا ہے۔ آج دنیا میں لیلیٰ مجنوں اور شیریں فرہاد جیسی چاہتوں کو فروغ حاصل نہیں۔

میں لیلیٰ مجنوں اور شیریں فرہاد کے افسانوں کے تاریخی پہلو پر تکیہ نہیں کرنا چاہتا لیکن یہ انسانی حقائق کی منہ بولتی تصویریں ہیں جو مشرق میں پائی جاتی ہیں۔

ان داستانوں سے یہ بات سمجھی جا سکتی ہے کہ عورت مرد کی دسترس سے اپنے آپ کو دُور رکھنے کے سبب کس منزلت تک پہنچی ہے اور کس حد تک اس نے مرد کے سر نیاز کو اپنے سامنے جھکا رکھا ہے یقیناً عورت کا اس حقیقت کو سمجھنا اس کے حق میں مؤثر رہا ہے کہ مرد کو اپنی طرف کھینچنے کے لیے اسے اپنے آپ کو ایک راز کی طرح پوشیدہ رکھنا چاہیے۔

---

[1] Alfred Hitchcock - Novelist and story writer

تیسرا باب

اسلام میں پردے کا فلسفہ

پردے کے سلسلے میں جو مختلف نظریات ہم نے نقل کیے ہیں ان میں سے زیادہ تر مخالفین پردہ کے اپنے ذہن کی اختراع تھے۔ ان کے خیال میں پردہ، خواہ وہ اسلامی ہو یا غیر اسلامی غیر معقول ہے ظاہر ہے کہ اگر کوئی شخص کسی مسئلے کو آغاز ہی سے غیر ضروری سمجھے تو اس کی توجیہ بھی اس کے بیکار ہونے پر مبنی ہو گی۔ اگر یہ بحث کرنے والے اس مسئلے کو غیر جانبدارانہ طریقے سے جانچتے تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ اسلامی پردے کا ان کی بے اصل باتوں سے کوئی ربط نہیں۔

ہم اسلام کے نقطۂ نظر سے پردے کے ایک خاص فلسفہ کے قائل ہیں جو از روئے عقل قابلِ قبول ہے اور تجزیہ کی روشنی میں اسے اسلامی پردے کی بنیاد قرار دیا جا سکتا ہے۔

حجاب کے لغوی معنی

قبل اس کے کہ ہم اس بارے میں استنباط کریں، ضروری معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی توجہ اس طرف مبذول کرائیں کہ پردہ جسے عربی میں حجاب کہا جاتا ہے، لغوی اعتبار سے کس مفہوم کا حامل ہے؟ حجاب کا لفظ پہناوا اور پردہ دونوں مفہوم میں آیا ہے لیکن بیشتر پردے ہی کے مفہوم میں استعمال

ہوا ہے۔ اس لفظ کو پہناوے کے مفہوم میں اس لیے لیا گیا ہے کہ پردہ پہناوے کا ذریعہ ہے۔ شاید ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ لغت کے اعتبار سے ہر پہناوا حجاب نہیں بلکہ وہ پہناوا حجاب ہے جو چہرے کو ڈھانپ دے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا واقعہ نقل کرتے ہوئے قرآن مجید کہتا ہے:

"یہاں تک کہ سورج پس پردہ چھپ گیا" [1]

قلب و شکم کے درمیان واقع ہونیوالے پردے کو بھی حجاب کہا جاتا ہے۔

امیرالمومنین امام علی علیہ السلام نے جناب مالک اشتر رضی اللہ عنہ کو اصول حکمرانی کے متعلق جو خط لکھا تھا، اس میں لکھا ہے: "عام لوگوں کے درمیان رہو اور گھر بیٹھ کر اپنے آپ کو ان سے پوشیدہ نہ رکھو۔ [2] دیکھو حاجب اور دربان تمہیں لوگوں سے جدا نہ کر دے۔ لہٰذا تم خود ان کے درمیان جاؤ اور ان سے رابطہ رکھو تاکہ کمزور اور لاچار افراد اپنی ضرورتیں اور شکایتیں تم سے کھل کر بیان کر سکیں اور تم ان سے بے خبر نہ رہو۔"

مقدمہ ابن خلدون میں فَصْلٌ فِی الْحِجَابِ کَیْفَ یَقَعُ فِی الدُّوَلِ وَاِنَّہٗ یُعَظَّمُ عِنْدَ الْھَرَمِ کے عنوان سے ایک باب قائم ہے۔ اس باب میں وہ بیان کرتا ہے کہ حکومتیں اپنی تشکیل کے ابتدائی زمانے میں اپنے اور عوام کے درمیان کوئی حجاب یا فاصلہ نہیں رکھتیں لیکن آہستہ آہستہ حکمران اور عوام کے درمیان ایک وسیع پردہ حائل ہو جاتا ہے جس کے نتیجے میں ناخوشگوار صورت رونما ہوتی ہے۔ ابن خلدون نے اس عبارت میں لفظ حجاب پہناوے کے معنی میں نہیں بلکہ پردے کے مفہوم میں استعمال کیا ہے۔

بدن ڈھانکنے کے لیے حجاب کا لفظ نسبتاً ایک جدید اصطلاح ہے۔ پرانے زمانے میں اور خصوصاً فقہا کی اصطلاح میں اس معنی میں ستر کا لفظ استعمال کیا جاتا تھا۔ کتاب الصلوٰۃ، کتاب النکاح اور جہاں کہیں بھی یہ مضمون آیا ہے، فقہا نے ستر کا لفظ استعمال کیا ہے، حجاب کا کہیں بھی نہیں۔

بہتر تو یہ تھا کہ ستر کو حجاب سے بدلا نہ جاتا اور ہم اسے ستر ہی کہتے۔ اس لیے کہ حجاب عام طور پر

---

[1] حَتّٰی تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ (سورۂ ص۔ آیت ۳۲)

[2] فَلَا تُطَوِّلَنَّ احْتِجَابَكَ عَنْ رَّعِیَّتِكَ (نہج البلاغہ)

پردے کے مفہوم میں استعمال ہوتا ہے اور اگر اسے ستر کے مفہوم میں بولا جائے تو وہ عورت کے پس پردہ ہونے کا پتا دیتا ہے۔ یہیں سے لوگوں میں غلط فہمی ہوئی اور انہوں نے سمجھا کہ اسلام چاہتا ہے کہ عورتیں پس پردہ رہیں اور گھروں سے باہر نہ نکلیں۔ اسلام نے عورتوں کے لیے جس پردہ کو واجب قرار دیا ہے اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ وہ گھروں سے نہ نکلیں۔ اسلام عورتوں کو گھروں میں پابند کرنے کا حامی نہیں ہے۔ عورتوں کو سختی کے ساتھ گھروں میں بند کرنے کی جو رسم قدیم ہندوستان اور ایران میں پائی جاتی تھی، اسلام میں اس کا کوئی وجود نہیں ہے۔

اسلام میں عورت کا پردہ یہ ہے کہ وہ مردوں کے ساتھ رہن سہن میں اپنے بدن کو ڈھانکے اور اس کی نمائش نہ کرے۔ قرآن مجید کی آیتیں بھی اسی مفہوم پر دلالت کرتی ہیں اور ہمارے فقہا کے فتوے بھی اس امر کی تائید کرتے ہیں۔ ہم آگے چل کر قرآن و سنّت کی روشنی میں اس پردے کے حدود بیان کریں گے۔ پردے کے متعلق آیات میں حجاب کا لفظ استعمال نہیں ہوا ہے۔ وہ سورۂ نور ہو یا سورۂ احزاب اس بارے میں جہاں کہیں جو آیت بھی آئی ہے، اس میں لفظ حجاب کو استعمال کیے بغیر مرد و زن کے روابط اور پردے کے حدود کا تذکرہ ہے۔ وہ آیت جس میں لفظ حجاب آیا ہے اس کا تعلق پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات سے ہے۔

ہم جانتے ہیں کہ قرآن مجید میں ازواج رسولؐ کے بارے میں خاص احکام وارد ہوئے ہیں پہلی آیت جو اس سلسلے میں نازل ہوئی یوں شروع ہوتی ہے:

"اے رسولؐ کی بیویو! تم دوسری عورتوں کی طرح نہیں ہو"[1] (یعنی تم باقی سب عورتوں سے مختلف ہو) اسلام نے خاص تاکید کی ہے کہ ازواج رسول آنحضرتؐ کی زندگی میں بھی اور آپ کی وفات کے بعد بھی اپنے گھروں میں رہیں۔ اس حکم کے بہت سے معاشرتی اور سیاسی اسباب تھے۔

قرآن کریم صاف الفاظ میں ازواج رسولؐ سے کہتا ہے کہ وہ اپنے گھروں میں رہیں۔"[2]

اسلام چاہتا ہے کہ ام المومنین جن کا مسلمانوں میں بیحد احترام کیا جاتا تھا، اس احترام کو

---

[1] یانساء النبی لستن کاحد من النساء (سورۂ احزاب آیت ۳۲)۔

[2] وقرن فی بیوتکن (سورۂ احزاب آیت ۳۳)۔

غلط طور پر استعمال نہ کریں اور بھولے سے بھی سیاسی اور اجتماعی مسائل میں مفاد پرست عناصر کی آلۂ کار نہ بنیں۔ از روئے تاریخ یہ بات ہم پر واضح ہے کہ ایک ام المومنین نے اس حکم کی خلاف ورزی کرکے سیاسی فتنوں کو عالمِ اسلام میں راہ دی اگرچہ بعد میں خود انہیں بھی اس بات کا افسوس رہا۔ وہ کہا کرتی تھیں: "کاش میرے آنحضرتؐ سے بہت سے بچے ہوتے اور سب مرجاتے مگر میں اس قضیے میں ہاتھ نہ ڈالتی۔" (اُسد الغابہ جلد ۳ صفحہ ۳۸۴)

آنحضرتؐ کے بعد آپ کی ازواج کی کسی اور سے تزویج کی ممانعت کا سبب میرے پیش نظر یہی ہے کہ کوئی دوسرا شوہر اپنی زوجہ کی شہرت اور اس کے احترام سے یقیناً بے جا فائدہ اٹھاتا جس سے نئے حادثات رونما ہوتے۔ اس بنا پر اگر کہیں ازواج رسولؐ کے بارے میں سخت تاکیدی حکم دیا گیا تھا تو اس کا سبب یہی ہے۔

بہرحال وہ آیت جس میں لفظ حجاب آیا ہے سورۂ احزاب کی ۵۳ ویں آیت ہے۔ جہاں ارشاد ہوتا ہے: "جب پیغمبرؐ کی بیویوں سے کوئی چیز مانگنا ہو تو پردہ کے پیچھے سے مانگا کرو۔"[1]

تاریخ اور حدیث کی اصطلاح میں جہاں کہیں بھی آیۂ حجاب کا تذکرہ ہوا ہے مثلاً یہ کہا گیا ہے کہ آیۂ حجاب کے نزول سے قبل ایسا تھا یا آیۂ حجاب کے نزول کے بعد ایسا ہوا تو اس سے یہی آیت مراد ہے جس کا تعلق ازواج رسولؐ سے ہے[2] نہ کہ سورۂ نور کی تیسویں آیت یا یہ آیت جہاں ارشاد ہوتا ہے۔ کہ اہل ایمان کی عورتوں سے کہدو کہ اپنے اوپر اپنی چادروں کے پلّو لٹکا لیا کریں۔ یہ زیادہ مناسب طریقہ ہے تاکہ وہ پہچان لی جائیں اور نہ ستائی جائیں۔" (سورۂ احزاب۔ آیت ۵۹)

مجھے نہیں معلوم کہ کیا صورت پیش آئی کہ زمانۂ حال میں فقہا کی اصطلاح ستر کے بجائے حجاب اور پردے کے الفاظ رواج پاگئے۔ شاید اس کی وجہ یہ غلط فہمی ہو کہ اسلامی حجاب بھی اسی طرح کی کوئی چیز ہے جیسا کہ وہ حجاب جس کا رواج دنیا کی دوسری اقوام و ملل میں ہے۔

---

[1] وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَاسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ

[2] صحیح مسلم جلد ۳ صفحات ۱۴۸-۱۵۱۔

پردے کی اصل صورت

ستر یا پردے کے مسئلے میں بات یہ نہیں ہے کہ عورت ستر کے ساتھ بھرے مجمع میں آئے یا عریاں؟ بلکہ اصل بات یہ ہے کہ کیا مرد کی عورت سے لذت اندوزی بلاعوض اور عام ہونی چاہیے؟ کیا مرد کو یہ حق ہے کہ وہ عورت سے ہر محفل میں باستثنائے زنا زیادہ سے زیادہ لذت حاصل کرے؟

اسلام کہ جس کی نظر مسائل کی اصلیت پر ہے، جواب دیتا ہے:

نہیں! ایسا نہیں ہے۔ مرد صرف گھریلو ماحول اور مضبوط عہد و پیمان کے ساتھ ازدواجی قانون کے دائرے میں عورت کو بیوی کی حیثیت سے اپنے تصرف میں لاسکتا ہے لیکن عام اجتماعات میں کسی نامحرم عورت سے قطعاً استفادہ نہیں کر سکتا۔ نیز عورت کے لیے بھی یہی پابندی ہے۔

یہ درست ہے کہ مسئلہ کی ظاہری صورت یہ ہے کہ عورت کیا کرے؟ وہ ستر کے ساتھ باہر آئے یا عریاں؟ یعنی جو چیز عنوان مسئلہ قرار پاتی ہے وہ عورت ہے اور کبھی کبھی اس مسئلہ کو بڑے ہمدردانہ انداز سے پیش کیا جاتا ہے کہ کیا محکومیت، اسیری اور پردہ نشینی سے بہتر نہیں ہے کہ عورت آزاد فضا میں سانس لے؟ لیکن باطن میں کچھ اور بات ہے اور وہ یہ ہے کہ مرد کو عورت سے زنا کے علاوہ جنسی استفادے میں مطلق آزادی ہونی چاہیے۔ یعنی اس مسئلہ میں جو فائدہ مرد کو پہنچ رہا ہے وہ عورت کو نہیں۔

بقول و لڈیورنٹ: "منی سکرٹ کپڑا فروشوں کے سوا ساری دنیا کے لیے ایک نعمت ہیں۔"

پس اصل مسئلہ جنسی خواہش کو شرعی حدود میں رکھنے یا جنسی لذت کے حصول کو پورے معاشرے میں عام کرنے کا ہے۔ دین اسلام پہلی روش کا حامی ہے۔

اسلام کے نقطۂ نظر سے رشتۂ ازدواج میں منسلک ہونے کے عمل میں جنسی لذت کے حصول کی محدودیت نفسیاتی اعتبار سے ایک صاف ستھرے ماحول کو پیش کرتی ہے، باعتبار خاندان — خاندان کے افراد کے تعلقات میں استحکام اور میاں بیوی میں مکمل ہم آہنگی پیدا کرتی ہے۔ باعتبار اجتماع لوگوں کی کارکردگی کی اہلیت اور توانائی کا تحفظ کرتی ہے اور مرد کے

مقابل عورت کی منزلت کو بڑھاتی ہے۔

ہماری نظر میں اسلامی پردے کا فلسفہ چند نکات پر منحصر ہے، جن میں سے کچھ نفسیاتی پہلو کے حامل ہیں کچھ گھر سے متعلق ہیں کچھ اجتماعی امور سے اور کچھ عورت کی سربلندی اور احترام میں اضافہ سے متعلق ہیں۔

اسلام میں پردے کا مسئلہ مکمل اور محکم اصولوں پر استوار ہے۔ اسلام چاہتا ہے کہ تمام جنسی لذتیں خواہ ان کا تعلق دیکھنے سے ہو یا چھونے سے گھر کی چار دیواری کے اندر منحصر رہیں اور باہر کا ماحول صرف کام کاج کے لیے ہو۔ جبکہ آجکل مغرب میں کام کاج کو شہوت سے مربوط کر دیا گیا ہے۔ اسلام چاہتا ہے کہ ان دونوں کا ماحول ایک دوسرے سے جدا ہو۔

اب ہم اوپر بیان کیے ہوئے چاروں امور کی وضاحت کرتے ہیں:

۱۔ سکونِ نفس

مرد وزن کے درمیان پردے کا نہ ہونا اور مادر پدر آزادی نفسانی خواہشات میں اضافے کا باعث ہوتی ہے اور سیکس کے تقاضے کو کبھی نہ بجھنے والی پیاس کی صورت بخشتی ہے۔ نفسانی خواہشات سمندر کی طرح گہری اور بیکراں ہوتی ہیں کہ جن کی جتنی فرمانبرداری کی جائے اتنی ہی سرکش ہو جاتی ہیں اور آگ کی طرح کہ اسے جتنا ایندھن دیا جائے اتنا ہی شعلہ زن ہوتی ہے۔ اس بات کو سمجھنے کے لیے ہمیں مندرجہ ذیل دو نکات پر توجہ کرنا ہوگی:

۱۔ تاریخ جس طرح دولت کے پجاریوں کا تذکرہ کرتی ہے اور بتاتی ہے کہ وہ مال و دولت سمیٹنے کے کتنے حریص تھے۔ اسی طرح جنسی امور میں حریص افراد بھی اس کے موضوع گفتگو سے خارج نہیں ہیں۔ اس قسم کے افراد بھی کسی منزل پر نہیں رکے، حرم سرا کے مالک تو کجا مالداروں کا بھی یہی وطیرہ رہا ہے۔

ایران ساسانیوں کے دور میں کا مصنف کریسٹنسن[۱] اپنی کتاب میں لکھتا ہے:

"خسرو پرویز کے حرم میں تین ہزار پری وشوں کی موجودگی کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ اس شہریار کو سیری نہیں ہوتی تھی۔ خوبصورت دوشیزائیں، بیوائیں اور صاحب اولاد عورتیں جہاں کہیں بھی اسے دکھائی دے جاتیں وہ انہیں اپنے حرم میں شامل کر لیتا اور جب اس کا دل ان سے بھر جاتا تو وہ اپنے

---

[۱] Arthur Christensen "L' Iran sous les Sassanides

گورنروں سے اپنی پسند کی عورت کے حصول کی فرمائش کرتا۔ چنانچہ جب گورنروں کو ویسی عورت مل جاتی تو وہ اسے بادشاہ کی خدمت میں پیش کر دیا کرتے تھے۔" (باب ۹)

قدیم تاریخ میں ہمیں اس طرح کے واقعات بکثرت ملتے ہیں۔ دورِ حاضر میں ان حرم سراؤں کی صورت بدل گئی ہے۔ اب یہ ضروری نہیں کہ کوئی خسرو پرویز اور ہارون رشید جیسے اختیارات رکھتا ہو۔ آجکل فرنگی تجدد کی "برکت" سے خسرو پرویز اور ہارون رشید کے اختیارات کا لاکھواں حصّہ رکھنے والا شخص بھی عورتوں سے انہی کے برابر خوشنودی حاصل کر سکتا ہے۔

۲ـــــ عالمی ادبیات کا ایک بڑا حصہ غزلیات پر مشتمل ہے۔ غزل میں مرد اپنے محبوب کی مدح کرتا ہے، اس کے آگے سرِ نیاز خم کرتا ہے۔ اسے بڑا اور خود کو چھوٹا ظاہر کرتا ہے۔ وہ اس کے التفات کا مشتاق رہتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو اس کی معمولی سی عنایت کا نیازمند قرار دیتا ہے اور دعوٰی کرتا ہے کہ اس کا محبوب اک نگاہ ناز سے صد ملکِ جاں کو تسخیر کر سکتا ہے تو پھر اس معاملے میں تقصیر کیوں ہو۔ عاشق معشوق کی جدائی میں دردِ فراق سے چیختا چلاتا ہے۔

یہ سب کچھ کیا ہے، آخر کیوں انسان اپنی تمام ضرورتوں کے بارے میں ایسا نہیں کرتا۔ کیا کبھی آپ نے دولت کے پرستار کو دولت کے لیے اور منصب کے خواستگار کو منصب کے لیے "غزل سرائی" کرتے دیکھا ہے؟ کیا اب تک کسی نے روٹی کے لیے غزل کہی ہے، کیوں ہر انسان دوسرے کی غزل کو پسند کرتا ہے؟ ایسا کیوں ہے کہ سب لوگ دیوانِ حافظ سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ کیا اس کی وجہ اس کے سوا کچھ اور بھی ہے کہ ہر شخص اسے ایک ایسے عمیق فطری میلان پر منطبق دیکھتا ہے جو اس کے پورے وجود پر چھایا ہوا ہے۔ کس قدر غلطی پر ہیں کمیونسٹ جو یہ کہتے ہیں کہ صرف پیٹ (اقتصاد) ہی لوگوں کی دوڑ دھوپ کا بنیادی سبب ہے۔

جس طرح انسان نے اپنی روح کے لیے مخصوص موسیقی مرتب کی ہے، اسی طرح اس نے اپنے جنسی عشقیات کے لیے بھی ایک خاص دُھن ترتیب دی ہے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ روٹی اور پانی جیسی مادّی ضروریات کے لیے اس کے پاس کوئی راگ نہیں ہے۔

میں یہ نہیں کہتا کہ تمام عشقیات کا تعلق جنس سے ہے اور میرا یہ بھی مقصد نہیں ہے کہ حافظؔ، سعدیؔ اور دیگر غزل گو شعراء نے محض جنسی زبان میں گفتگو کی ہے۔ ان کی بیان کردہ محبت کچھ

اور ہے، جس پر الگ سے گفتگو کی ضرورت ہے۔

لیکن یہ بات طے ہے کہ بیشتر غزلیں وہ ہیں جنہیں مرد نے عورت ہی کے لیے مخصوص کیا ہے۔ ہمارے لیے یہ جاننا ہی کافی ہے کہ عورت کی طرف مرد کا میلان روٹی اور پانی کی طرح کا میلان نہیں کیونکہ پیٹ بھرنے سے تو انسان قانع اور مطمئن ہو جاتا ہے۔ مگر عورت کے باب میں یہ توجہ ہوس اور تنوع کی صورت اختیار کر جاتی ہے یا عاشقی اور غزل سرائی میں بدل جاتی ہے۔ ہم اس پر بعد میں گفتگو کرینگے کہ کن شرائط میں جنسی ہوس تقویت پاتی ہے اور کن شرائط میں عشق و غزل کی صورت اختیار کرتی ہے اور کب اس پر حقیقی رنگ چڑھتا ہے۔

بہرحال اسلام نے اس پُرجوش جبلّت کی حیرت انگیز توانائی پر پوری توجہ دی ہے۔ چنانچہ نگاہ کے فتنے، خلوت کے خطرے اور ملاپ کے جذبے کے بارے میں شیعہ اور سُنی کتابوں میں کئی روایات موجود ہیں۔

اسلام نے اس فطری جذبے کو قابو میں لانے اور اس میں توازن پیدا کرنے کی طرف خاص توجہ دیتے ہوئے "دید" کی بابت مرد و زن پر ایک مشترکہ فرض عائد کیا ہے۔ اس سلسلے میں سورۂ نور کے حوالے سے جو دستور پیش کیا گیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ عورت اور مرد لذت اندوز نگاہوں سے ایک دوسرے کو نہ دیکھیں۔ عورتوں پر فرض ہے کہ وہ بیگانہ مردوں سے اپنا بدن چھپائیں اور اجتماعات میں خود نمائی سے پرہیز کریں۔ کسی بھی طرح ایسا انداز نہ اپنائیں کہ غیر مرد اُن کی طرف متوجہ ہوں۔

انسان کا نفس بڑی حد تک اثر پذیر ہے۔ یہ خیال غلط ہے کہ اس کی تحریک پذیری ایک خاص حد تک محدود ہے اور اس کے بعد آگے نہیں بڑھتی۔

بلا امتیاز مرد و زن، انسان جس طرح دولت، منصب اور عزت سے سیر نہیں ہوتا اسی طرح جنسی معاملات میں بھی اسے سیری نہیں ہوتی۔ کوئی مرد حسین چہروں کے دیدار سے کوئی عورت مردوں کے دل جیتنے کی خواہش سے اور بالآخر کوئی دل ہوس سے سیر نہیں ہوتا۔

پھر یہ بے کنار خواہش کبھی پوری ہونے والی نہیں۔ وہ ایک طرح کے احساسِ محرومیت سے دوچار رہتی ہے اور آرزوؤں میں ناکامی بجائے خود باطنی نقائص اور بیماریوں کو راہ دیتی ہے۔ آخر مغرب میں نفسیاتی بیماریوں کی اتنی بہتات کیوں ہے؟ اس کا سبب یہی جنسی بے راہ روی

اور سیکس کی یہی ترغیبات ہیں جو انھیں اخباروں، رسالوں، سینما گھروں، تھیٹروں اور سرکاری وغیر سرکاری تقریبوں، یہاں تک کہ سڑکوں اور گلیوں میں بھی ملتی ہیں۔

لیکن اسلام میں عورت کے لیے ستر یا پردے کا حکم اس لیے آیا ہے کہ اس میں خود نمائی اور خود آرائی کی خواہش شدت سے پائی جاتی ہے۔ دل و دماغ پر تصرف کے اعتبار سے مرد شکار ہے اور عورت شکاری۔ آرائش و زیبائش پر عورت کی توجہ اس کے شکاری احساس کا پتا دیتی ہے۔ دنیا کے کسی حصے میں یہ بات دیکھنے میں نہیں آتی کہ مرد بدن کی جھلک دکھانے والا لباس زیب تن کرے اور ہیجان انگیز سنگھار کرے۔ یہ عورت کا فعل ہے کہ وہ دلربائی کے انداز اختیار کرے اور مرد کو اپنی زلف کا اسیر بنائے۔ چونکہ حد سے بڑھا ہوا سنگھار اور نیم برہنہ لباس عورت کو کجروی میں مبتلا کر دیتا ہے، اس لیے پردے کا حکم بھی اُسی کے لیے صادر ہوا ہے۔

ہم جنسی جبلت کی طوفان خیزیوں اور برٹرینڈرسل جیسے افراد کے دعووں کے برعکس اس بات پر کہ جنسی جذبہ کو آزاد چھوڑ دینے اور جذبات کو ابھارنے کے وسائل کی فراہمی سے یہ جذبہ ہرگز سیر نہیں ہوتا۔ نیز مردوں میں تانک جھانک اور عورتوں میں محاسن دکھانے کے میلان پر بعد میں گفتگو کرینگے۔

۲۔ خاندانی روابط میں استحکام

اس میں شک نہیں کہ ہر وہ چیز جو ازدواجی روابط کو مستحکم کرے اسے روبعمل لانا چاہیے اور ہر وہ چیز جو ازدواجی روابط میں کمزوری کا باعث ہو اسے ختم کر دینا چاہیے۔

ازدواجی زندگی کے دائرے میں جنسی لذت اندوزی میاں بیوی کے رشتہ کو مستحکم کرتی ہے۔ اور انھیں ایک دوسرے سے قریب لاتی ہے۔

ستر پوشی کا فلسفہ اور غیر عورت سے جنسی تعلقات کی ممانعت کا سبب یہ ہے کہ باعتبار نفسیات گھریلو ماحول میں انسان کی قانونی بیوی اسے خوشنود کرے، جبکہ جنسی آزادی کے ماحول میں باعتبار نفسیات قانونی بیوی مرد کی رقیب اور داروغہ سمجھی جاتی ہے جس کے نتیجے میں گھر میں دشمنی اور نفرت کی فضا قائم ہو جاتی ہے۔

آجکل کے نوجوانوں کا شادی سے انکار کرنے کا سبب بھی یہی ہے۔ حالانکہ پچھلے وقتوں میں

شادی نوجوان کی دلی تمنا ہوا کرتی تھی اور جب تک تہذیب مغرب نے عورتوں کو بازاری جنس نہیں بنایا تھا نوجوان شبِ وصال کو تختِ شاہی سے کم نہیں سمجھتے تھے۔

پرانے وقتوں میں شادی بڑی تمناؤں اور بڑے انتظار کے بعد ہوتی تھی اور اسی لیے میاں بیوی ایک دوسرے کو اپنے لیے نیک بختی کی علامت سمجھتے تھے لیکن آج جنسی تسکین کا حصول اتنا عام ہو گیا ہے کہ اب شادی میں کوئی کشش باقی نہیں رہی ہے۔

جنسی روابط کو قانونی ازدواج کے دائرے میں محدود کرنے والے معاشرے اور جنسی طور پر آزاد معاشرے میں فرق یہ ہے کہ شادی کرنے سے پہلے معاشرے میں انتظار اور محرومیت کا اختتام ہوتا ہے جبکہ دوسرے معاشرے میں محرومیت اور پابندی کا آغاز ہوتا ہے۔ جنسی آزادی کے ماحول میں شادی کا بندھن لڑکے اور لڑکی کی آزادی کو ختم کر دیتا ہے اور انہیں مجبور کرتا ہے کہ وہ ایک دوسرے کے وفادار بن کر رہیں۔ درآنحالیکہ اسلامی معاشرے میں شادی ان کی محرومیت اور انتظار کو ختم کرتی ہے اور ان کے لیے خوشی کا پیغام لاتی ہے۔

آزاد جنسی تعلقات نوجوان لڑکوں کو شادی سے روکتے ہیں۔ اس ماحول میں نوجوان لڑکے صرف اسی وقت یہ اقدام کرتے ہیں جب ان کی نوجوانی کا جوش ٹھنڈا ہونے لگتا ہے۔ ایسے موقع پر وہ اولاد یا پھر اپنی خدمت کے لیے عورت کے خواہشمند ہوتے ہیں۔ مرد کا یہ طرزِ عمل ازدواجی بندھن کو کمزور کر دیتا ہے اور بجائے اس کے کہ ایک گھریلو چاہت کی بنیاد پر وجود میں آئے جہاں میاں بیوی ایک دوسرے کو اپنی خوش نصیبی کا سبب سمجھیں، ان میں رقیبانہ اندازِ فکر پیدا ہوتا ہے اور وہ ایک دوسرے کو اپنی آزادی کا لٹیرا سمجھنے لگتے ہیں۔ آجکل کے خاص الفاظ میں وہ ایک دوسرے کو جیلر کہنے لگتے ہیں۔

ایسے ماحول میں جب کوئی لڑکا یا لڑکی یہ کہے کہ اس نے اپنے لیے جیلر ڈھونڈ لیا ہے تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ اس نے شادی کر لی ہے۔ یہ تعبیر کیوں ہوئی، اس لیے کہ وہ شادی سے پہلے آزاد تھی۔ جہاں چاہے جا سکتی تھی اور جس کے ساتھ چاہے رقص کر سکتی تھی لیکن شادی کے بعد اس کی آزادی چھن گئی ہے۔ اگر وہ رات دیر سے گھر پہنچے تو شوہر باز پرس کرتا ہے کہ کہاں گئی تھی۔ اسی طرح مرد اگر کسی محفل میں دوسری عورتوں کے قریب ہونے کی کوشش کرتا ہے تو اُس کی

بیوی اس پر اعتراض کرتی ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسے ماحول میں گھریلو زندگی کس طرح پرسکون رہ سکتی ہے۔

برٹرینڈ رسل جیسے بعض افراد کا خیال ہے کہ مرد عورت پر اس لیے پابندی لگاتا ہے کہ وہ اپنی نسل کی پاکیزگی کا خواہاں ہے۔ اس کی اس مشکل کو مانع حمل ادویات نے آسان کر دیا ہے جن کی بدولت عورت اب نسل پر اختیار رکھتی ہے لیکن یہاں مسئلہ صرف نسل کی پاکیزگی کا ہی نہیں ہے بلکہ ایک اور مسئلہ زوجین کے درمیان سچے اور پاک جذبات کا اور آپس میں الفت اور یگانگت کا بھی ہے۔ یہ بات اسی وقت پیدا ہو سکتی ہے جب زوجین نامحرموں سے پرہیز کریں۔ مرد کسی دوسری عورت پر نظر نہ رکھے اور عورت بھی اپنے شوہر کے سوا کسی کو محظوظ نہ کرے۔ نیز ہر قسم کے جنسی تعلقات سے صرف نظر کیا جائے حتٰی کہ شادی سے قبل کے مرحلے میں بھی اس کا خیال رکھا جائے۔

علاوہ ازیں اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ رسل جیسے افراد کی پیروی میں "جدید جنسی اخلاق" کی حامل "ترقی یافتہ" عورت جو اپنے محبوب کے ساتھ رنگ رلیاں مناتی ہے اپنے شوہر سے قرار پانے والے حمل کو ضائع نہیں کرے گی اور آشنا سے پیدا ہونے والے بچے کو اپنے شوہر سے نسبت نہیں دے گی۔ ایسی عورت یقیناً یہی چاہے گی کہ اس کا بچہ اس کے محبوب کی نشانی ہو۔ اسی طرح مرد بھی فطرتاً ایسی عورت سے صاحب اولاد ہونا چاہتا ہے جسے وہ دل سے چاہتا ہو نہ کہ اس عورت سے جو قانون کی رو سے اس کے پلّے باندھ دی گئی ہو۔ اہل یورپ نے عملاً یہ دکھا دیا ہے کہ احتیاط اور اسقاط کے وسائل کی کثرت کے باوجود ناجائز بچوں کی تعداد تشویشناک حد تک بڑھ گئی ہے۔

۳۔ مستحکم معاشرہ

جنسی لذائذ کے حصول کو گھر سے نکال کر معاشرے تک وسیع کر دینا کارکردگی کو متاثر کرتا ہے اور اس سے معاشرے کی چولیں ہل جاتی ہیں۔ یہ بات اُس اعتراض کے بالکل برعکس ہے جسے پردے کے مخالفین پیش کرتے ہیں۔ وہ یہ کہتے ہیں: "پردہ معاشرے کی نصف آبادی کی توانائی کو مفلوج کر دیتا ہے۔"

عورتوں کی توانائی کو مفلوج کرنا ان کی صلاحیتوں کو تباہ کرنے کے مترادف ہے۔ اسلام میں پردہ عورت کو قید کر دینے کے مفہوم میں نہیں ہے کہ جس سے وہ ثقافتی، معاشرتی اور اقتصادی فوائد کے حصول سے محروم ہو جائے۔ اسلام یہ نہیں کہتا کہ عورت گھر سے باہر نہ نکلے۔ وہ اس کو علم حاصل کرنے

سے نہیں روکتا بلکہ اس نے تو حصولِ علم کو مرد اور عورت کے لیے یکساں قرار دیا ہے۔ اسلام نے عورت کو معاشی جدوجہد سے بھی نہیں روکا۔ وہ نہیں چاہتا کہ عورت بیکار بیٹھی رہے اور اسکا وجود عبث ہو کر رہ جائے چہرے اور ہاتھوں کے علاوہ ستر بدن کیساتھ اسکے لیے ثقافتی، معاشرتی یا اقتصادی میدان کی راہیں کھلی ہوئی ہیں۔ البتہ عیاشی اور شہوت پرستی سے کام کے ماحول کو آلودہ کرنے سے معاشرے کی قوتیں ضرور مفلوج ہو جاتی ہیں اگر لڑکے اور لڑکیاں علٰحدہ علٰحدہ ماحول میں تعلیم حاصل کریں یا بالفرض ستر پوشی کو ملحوظ رکھتے ہوئے ایک ساتھ تعلیمی سرگرمیوں میں حصہ لیں اور بناؤ سنگھار سے پرہیز کریں تو وہ بہتر طور پر تعلیم پا سکتے ہیں یا یہ کہ ستر پوشی کو ملحوظ نہ رکھتے ہوئے رانوں سے بالشت بھر اونچے اسکرٹ پہنی لڑکیاں اور لڑکے پہلو بہ پہلو بیٹھ کر بہتر انداز میں پڑھ سکتے ہیں؟ کیا کوئی سڑک، بازار، دفتر یا کارخانے میں اس ماحول میں اچھی کارکردگی دکھا سکتا ہے جبکہ اس کی نظروں کے سامنے ہر وقت لڑکیوں کے شہوت انگیز چہرے ناچ رہے ہوں؟ اگر آپ اس بات کو سمجھنا چاہتے ہیں تو ان لوگوں سے پوچھیں جو ایسے ماحول میں کام کرتے ہیں۔ وہ کمپنیاں اور ادارے جو اچھی کارکردگی کے خواہاں ہوتے ہیں اس طرح کے ماحول سے پرہیز کرتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ عریانی سرمایہ دار مغرب کا دیا ہوا وہ "زہر" ہے جو انسانی معاشرے کو ادھ موا کر دیتا ہے۔ اس طرح وہ ایک ادھ موئے معاشرے کو اپنا دست نگر بنا لیتا ہے اور اسے اپنی مصنوعات کے استعمال پر مجبور کر دیتا ہے۔

روزنامہ اطلاعات میں سامان آرائش کے استعمال کے بارے میں مرکزی دفتر شماریات کی شائع کردہ رپورٹ میں کہا گیا ہے:

> صرف ایک سال میں عورتوں کے لیے دو لاکھ دس ہزار کیلو لپ اسٹک، کریم پوڈر اور آئی شیڈو درآمد کیا گیا۔ اس میں ایک لاکھ اکیاسی ہزار کیلو مختلف اقسام کی کریمیں ہیں۔ مزید برآں ۱۶۵۰ بلاؤز، ۲۵۰۰ درجن پوڈر کے ڈبے، ۴۶۰۴ غازہ ٹیوب، سلمنگ سوپ کی ۲۲۸۰ ٹکیاں اور میک اپ کی ۲۲۸۰ شیشیاں، ۳۱۰۰ پیکٹ آئی شیڈو اور ۲۴۰۰ پیکٹ آئی لائن درآمد کیے جائیں گے۔ (شمارہ ۶۔۹۔۱۳۴۷ شمسی)۔

جی ہاں! ترقی اور فیشن کے نام پر ایرانی عورت سرمایہ دار ممالک کے تیار کردہ سامانِ آرائش

کے ساتھ خود کو سجا کر ہر روز لوگوں کے سامنے آتی ہے تاکہ وہ یورپی کارخانوں کے لیے ایک قابل قدر صارف کی حیثیت سے داد تحسین حاصل کرے۔ اگر وہ فقط اپنے شوہر کے لیے یا زنانہ تقریبات کے لیے بناؤ سنگھار کرے تو وہ نہ مغربی سرمایہ داروں کے لیے ایک لائق صارف بن سکتی ہے اور نہ نوجوان نسل کے اخلاقی دیوالیہ پن میں مددگار بن سکتی ہے جس سے مغربی استعمار کا مفاد وابستہ ہے۔

غیر سرمایہ دار معاشرے میں لادینی رجحانات کے باوجود آزادی کے نام پر عورت کی اس طرح رسوائی کم ہی نظر آتی ہے۔

۴۔ عورت کا مقام اور احترام

ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ مرد جسمانی لحاظ سے عورت پر برتری رکھتا ہے۔ ذہنی طور پر بھی اسکی عورت پر فوقیت ناقابل انکار ہے لیکن عورت نے ہمیشہ مہر و محبت اور شفقت میں مرد پر اپنی برتری ثابت کی ہے۔ عورت ہی نے زن و مرد کے بیچ پردے کو اپنے تحفّظ کے لیے اختیار کیا ہے۔

اسلام نے عورت کو ترغیب دلائی ہے کہ وہ اس سلسلے میں پردے سے استفادہ کرے۔ وہ کہتا ہے کہ عورت جتنی سنجیدہ، پُروقار اور پاک دامن ہوگی اس کا احترام اتنا زیادہ ہوگا۔ آگے چل کر سورۂ احزاب کی تفسیر میں ہم بتائیں گے کہ قرآن مجید اس تاکید کے بعد کہ عورتیں پردہ کریں، فرماتا ہے:

یہ عمل اس لیے ہے کہ عورت کو پاکدامن سمجھا جائے اور یہ معلوم ہو جائے کہ وہ اپنے آپ کو محفلوں میں پیش نہیں کرتی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ لچے لفنگے ان پر آوازیں کسنے اور انہیں چھیڑنے سے باز رہیں گے۔

چوتھا باب

پردے پر اعتراضات

پردہ اور منطق

سب سے پہلا اعتراض پردے پر یہ کیا جاتا ہے کہ اس کی کوئی معقول دلیل نہیں ہے اور جو بات عقل کے مطابق نہ ہو ہمیں اس کا دفاع نہیں کرنا چاہیے۔ پردے کے اسباب میں ان چند باتوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے:

(۱) عدم تحفّظ اور امن و امان کا فقدان
(۲) رہبانیت اور ترکِ لذت کا رجحان
(۳) مرد کی خود غرضی اور حکمرانی کا جذبہ
(۴) ایام حیض میں عورت کی نجاست کا نظریہ

پردے کی نسبت سے یہ تمام باتیں مہمل اور باطل ہیں۔

پردے کے غیر منطقی نہ ہونے کے بارے میں ہم پہلے گفتگو کر چکے ہیں اور کہہ چکے ہیں کہ اسلام کے نزدیک عورتوں کا پردہ نفسیاتی، خاندانی اور اجتماعی اعتبار سے ایک منطق کا حامل ہے۔ چونکہ ہم

اس کی تفصیل پیش کر چکے ہیں، دوبارہ تکرار مناسب نہیں۔

پردہ اور حقیقت آزادی

پردے پر ایک اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ پردے نے عورت کی آزادی چھین لی ہے جو ہر بشر کا بنیادی حق ہے اور اس سے عورت کی بشری حیثیت کی توہین ہوتی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ انسانی مقام و مرتبے کا احترام "حقوق انسانی کے منشور[1]" کی شقوں میں سے ایک شق ہے۔ ہر مذہب و ملت کا انسان خواہ مرد ہو یا عورت، سفید ہو یا سیاہ، قابل احترام اور آزاد ہے۔ عورت کو پردے کے لیے مجبور کرنا اس کے حق آزادی سے انکار اور اس کی انسانی حیثیت کی توہین ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ عورت پر سراسر ظلم ہے۔ انسانی عزت اور عورت کی آزادی کا استحقاق نیز عقل و شرع کا یہ حکم کہ کوئی کسی کو بلا سبب قید و بند کی زحمتوں میں نہ ڈالے اور کسی بہانے سے کسی پر ظلم روا نہ رکھے، اس بات کا متقاضی ہے کہ پردے کو ختم کر دیا جائے۔

بار دیگر یہ بتانا ضروری ہے کہ عورت کا گھر میں نظر بند ہونے اور بیگانہ مرد کے سامنے جانے سے پہلے برقعہ یا چادر اوڑھ لینے میں بڑا فرق ہے۔ اسلام میں عورت کے لیے پردہ فرض ہے یعنی وہ مردوں کے سامنے جانے سے پہلے پوشاک میں ایک خاص وضع کا لحاظ رکھے۔ یہ فرض نہ مردوں کی طرف سے عورت پر عائد ہوا ہے اور نہ یہ ایسی بات ہے جو عورت کے مقام و مرتبے کے برخلاف ہو یا اسکے بنیادی حقوق کے منافی ہو جو خداوند عالم نے اسے عطا کیے ہیں۔

اگر بعض اجتماعی مصلحتیں مرد یا عورت کو پابند کر دیں کہ وہ معاشرے میں خاص روش اپنائیں اور وہ راہ اختیار کریں جس سے دوسروں کو تکلیف نہ پہنچے اور اخلاقی معیار برقرار رہے تو اسے اسیری، نظر بندی یا غلامی نہیں کہا جا سکتا اور نہ وہ انسانی حیثیت یا حقیقتِ آزادی کے منافی ہے۔

دنیا کے بعض متمدن ممالک میں آج بھی مردوں پر اس طرح کی پابندیاں عائد ہیں کہ وہ برہنہ یا شب خوابی کے لباس میں باہر نہیں آسکتے۔ اگر وہ پائجامہ پہن کر باہر نکلتے ہیں تو پولیس انہیں دھر لیتی ہے۔

---

[1] اقوام متحدہ کا CHARTER OF HUMAN RIGHTS

جب اخلاقی اور اجتماعی مصلحتیں افراد کو پابند کرتی ہیں کہ وہ مکمل لباس کے ساتھ گھر سے باہر نکلیں تو یہ چیز نہ غلامی ہے نہ اسیری۔ نہ ہم اسے انسان کی عرفی حیثیت اور آزادی کے منافی کہہ سکتے ہیں نہ ظلم اور نہ ہی عقل کے خلاف۔

اس کے برعکس اسلام کے بتائے ہوئے حدود میں عورت کا مستور رہنا اس کی شخصیت اور عزت میں اضافے کا باعث ہوتا ہے کیونکہ وہ اسے بدباطن افراد کی ہوسناک نگاہوں سے محفوظ رکھتا ہے۔

عورت کی شرافت اس بات کی متقاضی ہے کہ جب وہ گھر سے باہر نکلے تو چال ڈھال، بات چیت اور پہننے اوڑھنے میں ایسا انداز اختیار کرے جس سے کسی کے جنسی جذبات برانگیختہ نہ ہوں۔ وہ عملاً کسی مرد کو اپنی طرف دعوت نہ دے۔ بولتے ہوئے لباس نہ پہنے۔ ایسی چال نہ چلے جو دیکھنے والوں کو اپنی طرف متوجہ کرے۔ کسی سے معنی خیز انداز میں گفتگو نہ کرے، اس لیے کہ بعض اوقات ادائیں کلام کرتی ہیں۔ اور چلنے کے انداز سے کچھ اور ہی معنی پیدا ہو جاتے ہیں۔

سب سے پہلے میں اپنے گروہ یعنی گروہ علماء کی مثال دیتا ہوں۔ جب ایک عالم خلاف معمول روش اختیار کرے یعنی پگڑی کے حجم کو بڑھائے، ڈاڑھی کے طول میں اضافہ کرے، خاص انداز میں کاندھوں پر عبا ڈالے اور ہاتھ میں شاندار عصا لے تو اس کی یہ ہیئتِ کذائی خود پکار رہی کہ میرا احترام کرو، میرے لیے راستہ چھوڑو، میرے سامنے مودب کھڑے رہو اور میرے ہاتھوں کو بوسہ دو۔

اسی طرح ایک اعلیٰ افسر جب سینے پر تمغے سجائے، گردن تانے اکڑ کر زمین پر چلتا ہے اور بھاری بھرکم آواز میں گفتگو کرتا ہے تو زبانِ بے زبانی سے کہتا ہے کہ مجھ سے ڈرو اور اپنے دلوں میں میرا رعب بٹھاؤ۔

کیا عورت کو یہ زیب دیتا ہے کہ وہ دلربائی کا انداز اختیار کرے۔ اگر وہ سادگی اور خاموشی سے رفت و آمد کا سلسلہ رکھے اور لوگوں کو اپنی طرف متوجہ نہ ہونے دے تو کیا یہ بات عورت کی شخصیت یا مرد کی حیثیت یا معاشرے کے مصالح کے خلاف ہے یا اس سے کسی فرد کی آزادی سلب ہوتی ہے؟

ہاں اگر کوئی یہ کہے کہ عورت کو گھر کی چار دیواری میں مقید کرنا چاہیے اور اس کے باہر نکلنے پر پابندی ہونا چاہیے تو یہ امر عورت کی فطری آزادی اور انسانی حقوق کے منافی ہے اور یہ بات غیر اسلامی

پردوں میں تو پائی جاتی ہے مگر اسلامی قانون پردہ میں نہ پہلے کبھی تھی اور نہ اب ہے۔

آپ اگر فقہا سے پوچھیں گے کہ کیا عورت کا گھر سے نکلنا یا اس کا مردوں سے لین دین کرنا یا ایسے جلسوں میں شرکت کرنا جہاں مرد بھی ہوں حرام ہے یا یہ کہ ان کا علوم و فنون حاصل کرنا حرام ہے تو ان کا جواب نفی میں ہوگا۔

مسائل صرف دو ہیں۔ ایک ہے ستر پوشی کے ساتھ باہر نکلنے کا اور دوسرا ہے ہیجان انگیز لباس کے ساتھ باہر جانے کا۔ مصلحت تو اس میں ہے کہ عورت کا گھر سے نکلنا مرد کی مرضی اور اس کی مصلحت اندیشی کے ساتھ ہو۔ البتہ مرد کو بھی گھریلو مصالح کی حد تک اپنی برائے پیش کرنی چاہیے۔ اس سے بڑھ کر نہیں۔ بعض اوقات تو عورت کا اپنے ہی گھر والوں سے ملنا خلافِ مصلحت ہوتا ہے۔ مثلاً عورت چاہتی ہے کہ اپنی بہن کے گھر جائے مگر اس کی بہن فتنہ پرور ہے اور اس کے گھر میں آگ لگانا چاہتی ہے یا یہ کہ عورت اپنی ماں کے گھر جائے مگر اس کا اپنی ماں سے ملنا بھی گھریلو مصلحت کے خلاف ہے کیونکہ جب وہ بہن یا ماں سے مل کر آتی ہے تو ہفتہ بھر تک شوہر سے سیدھے منہ بات نہیں کرتی تو ایسے مواقع پر شوہر کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی عورت کو وہاں جانے سے روک دے تاکہ اس کا گھر تلخیوں اور رنجشوں سے محفوظ رہے اور اس کے بچے بھی کسی کمپلکس کا شکار نہ ہوں لیکن جو باتیں گھر کی فضا کو مکدّر نہ کرتی ہوں ان میں مرد کی مداخلت بے معنی ہے۔

سرگرمیوں میں رکاوٹ

پردے پر تیسرا اعتراض یہ ہے کہ پردہ زندگی کی مختلف سرگرمیوں میں رکاوٹ بنتا ہے اور عورت کی خداداد صلاحیتوں کو بروئے کار آنے سے روکتا ہے۔

عورت بھی مرد کی طرح ذوق و شوق اور فکر و فہم کی حامل ہے۔ قدرت نے اسے بھی کام کرنے کی صلاحیت دی ہے جو بیکار نہیں ہے لہٰذا اسے کام میں لانا چاہیے۔

بنیادی طور پر فطری استعداد فطری حق کی دلیل ہے۔ جب کسی کی خلقت میں فطرت نے کسی کام کی استعداد رکھی ہو تو یہ اس بات کی دلیل ہوتی ہے کہ اسے اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کا حق ہے اور اس کی صلاحیتوں کی راہ روکنا ظلم ہے۔

آخر ہم یہ کیوں کہتے ہیں کہ تمام انسانوں کو خواہ وہ مرد ہوں یا عورتیں یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ علم حاصل کریں جبکہ یہی بات ہم بے شعور جانداروں کے لیے نہیں کہتے' اس لیے کہ انسان میں تحصیل علم کی صلاحیت موجود ہے اور حیوانات میں یہ صلاحیت مفقود ہے۔ جانور کھانے پینے اور افزائش نسل کی صلاحیت رکھتا ہے' اس لیے اسے اس سے محروم رکھنا عدالت کے خلاف ہے۔

عورت کو اُن صلاحیتوں کے استعمال سے محروم رکھنا جو فطرت نے اس کی خلقت میں رکھی ہیں نہ صرف عورت پر ظلم ہے بلکہ معاشرے کے ساتھ بھی زیادتی ہے۔ ہر وہ چیز جو انسان کی فطری توانائیوں کو معطل کر دے وہ معاشرے کے لیے نقصان دہ ہے۔ عورت کا شمار بھی انسانوں میں ہوتا ہے اور معاشرے کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس کی صلاحیتوں اور توانائیوں کو بروئے کار لائے۔ عورت کو اس کے فطری حق سے محروم کرنا نہ صرف معاشرے کی نصف توانائی کو مفلوج کرتا ہے بلکہ وہ مرد پر بھی ایک بار بن جاتی ہے۔

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اسلامی پردہ عورت کی صلاحیتوں اور توانائیوں کو ختم نہیں کرتا۔ یہ اعتراض اس پردے پر صادق آتا ہے جو ہندوؤں' قدیم ایرانیوں یا یہودیوں میں رائج رہا ہے لیکن اسلامی پردہ عورت کو گھر کی چار دیواری میں پابند نہیں کرتا اور اس کی صلاحیتوں کے اظہار کی راہ نہیں روکتا۔ اسلامی پردے کا مقصد جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں جنسی لذّت کو شوہر تک محدود رکھنا اور معاشرے کو صرف کام کاج کے لیے اختصاص دینا ہے۔ اس لیے عورت کو اس بات کی اجازت نہیں ہے کہ جب وہ گھر سے باہر نکلے تو مردوں کے احساسات کو برانگیختہ کرے اسی طرح مرد کو بھی اس بات کی اجازت نہیں ہے کہ وہ دوسری عورتوں کے ساتھ نظر بازی کرے۔ ایسا پردہ نہ صرف یہ کہ عورت کے کام کاج کی توانائی کو مفلوج نہیں کرتا بلکہ پورے معاشرے کی قوت عمل کو تقویت پہنچاتا ہے۔

اگر مرد جنسی لذت کو اپنی بیوی کے لیے مخصوص کر دے اور یہ فیصلہ کرے کہ گھر سے باہر وہ لذّت حاصل نہیں کرے گا تو وہ یقیناً بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کر سکے گا۔

کیا عورت کا سادگی کے ساتھ باوقار طریقے سے کام پر جانا معاشرے کے لیے اچھا ہے یا یہ کہ وہ باہر نکلنے سے پہلے گھنٹوں سنگھار میز کے سامنے اپنا قیمتی وقت تلف کرے اور جب باہر نکلے تو اس کوشش میں رہے کہ نوجوانوں کو ـــ جنہیں معاشرے کے عزم' ارادے' کارگزاری اور فیصلوں کا

مظہر ہونا چاہیے۔ ایک بے مقصد اور شہوت پرست عنصر میں بدل دے۔

حیرت کا مقام ہے کہ پردے کو نصف معاشرے کے مفلوج ہونے کا بہانہ بنا کر تمام مرد و زن کی توانائیوں کو بے پردگی سے مفلوج کر دیا گیا ہے۔

اس مقام پر ایک مرد کی اپنی عورت کے خلاف وہ شکایت بیان کرنا نامناسب نہیں ہوگا جو خواتین کے ایک رسالے نے شائع کی تھی۔ اس بیان سے یہ حقیقت سامنے آئے گی کہ موجودہ حالات نے عورت کی کیا صورت بنا دی ہے:

"میری بیوی رات کو سوتے وقت اپنے آپ کو مکمل طور پر جوکر بنا لیتی ہے۔ وہ ایک بڑی جالی دار ٹوپی اپنے سر پر باندھتی ہے تاکہ سوتے وقت اس کے بال خراب نہ ہوں۔ اس کے بعد سوتے کا لباس زیب تن کرتی ہے اور پھر سنگھار میز کے سامنے بیٹھ کر اپنا میک اپ اتارتی ہے۔ اپنے منہ کا کریم ایک خاص مواد کے ساتھ دھوتی ہے۔ جب پلٹ کر دیکھتی ہے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ میری بیوی نہیں ہے۔ اس کی دونوں بھویں ترشی ہوئی ہوتی ہیں۔ جب وہ اپنا چہرہ صاف کرتی ہے تو اس کے ساتھ اس کی بھویں بھی صاف ہو جاتی ہیں جنہیں اس نے پنسل سے بنا رکھا تھا۔ اس کے چہرے سے ناگوار بدبو میرے دماغ تک پہنچتی ہے کیونکہ جھریاں مٹانے کے لیے جو کریم وہ استعمال کرتی ہے اس سے اٹھنے والی کافور کی بو مجھے قبرستان کی یاد دلاتی ہے لیکن معاملہ یہیں ختم نہیں ہو جاتا۔ کچھ دیر چل پھر کر وہ کمرے کو ٹھیک ٹھاک کرتی ہے۔ پھر نوکر کو آواز دیکر اس سے تھیلیاں منگواتی ہے۔ نوکر سفید کھدر کی چار تھیلیاں لے کر اوپر آتا ہے تو وہ پلنگ پر لیٹ جاتی ہے۔ تب نوکر اس کے ہاتھ اور پیروں پر وہ تھیلیاں چڑھاتا ہے اور ان کے سرے کس دیتا ہے تاکہ اس کے ہاتھ اور پیروں کے بڑھے ہوئے ناخن لحاف سے الجھ کر ٹوٹ نہ جائیں۔ اس طرح آخر کار وہ سو جاتی ہے۔"

یہ ہے اس عورت کی حقیقت جو بے پردگی کے زیر اثر "آزاد" ہو چکی ہے اور گویا بزعم خود ثقافتی معاشرتی اور اقتصادی امور کی ایک فعّال طاقت بن گئی ہے۔ اسلام یہ نہیں چاہتا کہ عورت کی ایسی مہمل صورت ہو جائے کہ اس کا کام صرف پیسوں کی بربادی، گھر کی تباہی اور معاشرے کی ابتری ہو۔

ثقافتی، معاشرتی اور اقتصادی امور میں سچی فعالیت کا کبھی مخالف نہیں رہا اور اسلام کی تاریخ اس بات کی گواہ ہے۔

عصرِ حاضر کے جدت پسند غیر منطقی ماحول میں آپ کو دیہاتوں اور دیندار گھرانوں کے سوا کہیں ایسی عورت نہیں ملے گی جس کی کارکردگی صحیح طور پر ثقافتی، معاشرتی یا اقتصادی امور کے حق میں مفید ہو۔ بے پردگی کے سبب آجکل اس اقتصادی اور تجارتی رجحان نے زور پکڑا ہے کہ دکاندار اچھا مال بیچنے کی بجائے ایک سیلز گرل کو ملازم رکھ لیتا ہے اور اس کے نسوانی سرمایہ کو اپنے اختیار میں لیکر اسے لوگوں کی جیبیں خالی کرنے کا ذریعہ بنا لیتا ہے۔ ایک دکاندار پر لازم ہے کہ وہ اپنے گاہکوں کو اچھا مال فراہم کرے لیکن ایک خوبصورت سیلز گرل اپنی جنسی کشش کے بل بوتے پر خریدار کو اپنی طرف متوجہ کر لیتی ہے۔ بہت سے لوگ جو قطعاً خریداری کے موڈ میں نہیں ہوتے صرف اس سے چند لمحے گفتگو کرنے کے لیے کچھ نہ کچھ خرید لیتے ہیں۔ کیا ہم اسے اجتماعی فعالیت قرار دے سکتے ہیں، یہ تجارت ہے یا رذالت؟

کہتے ہیں کہ عورت کو سیاہ تھیلا نہ اڑھاؤ۔ ہم نہیں کہتے کہ عورت اپنے آپ کو سیاہ تھیلے میں ڈالے، لیکن کیا اسے ایسا لباس پہننا چاہیے جس سے اس کے سینے کا ابھار ہر خاص و عام کو دکھائی دے اور وہ اپنے آپ کو حقیقت سے زیادہ پرکشش ظاہر کرے۔ اپنے لباس اور کوسمیٹکس سے استفادہ کر کے لوگوں کو اپنی غیر حقیقی خوبصورتی کے جال میں پھنسائے۔ یہ نئی سے نئی تراش کے لباس کیوں بننے لگے ہیں؟ کیا اس لیے کہ عورتیں انہیں پہن کر اپنے خاوندوں کی خوشنودی حاصل کریں؟ اونچی ایڑی کے سینڈلز کا مقصد اس کے سوا اور کیا ہے کہ اس کے ذریعے کولہوں کے مٹکنے کا انداز زیادہ بہتر طریقے سے لوگوں کے مشاہدہ میں آئے؟ کیا بدن کو چھلکانے والے لباس کا یہ مقصد نہیں ہے کہ مردوں کے جنسی جذبے کو ابھارا جائے؟ اس قسم کے جوتے کپڑے اور کوسمیٹکس استعمال کرنے والی عورتوں کے نزدیک صرف ان کے شوہر درخورِ اعتنا نہیں۔

عورت صرف عورتوں اور اپنے محرموں کے درمیان ہر طرح کے لباس اور سنگھار سے آراستہ ہو سکتی ہے لیکن افسوس کہ مغربی عورتوں کی تقلید کسی اور ہی غرض سے کی جاتی ہے۔

عورت میں خود آرائی اور دوسروں کی توجہ کو معطوف کرنے کی خواہش بھی عجیب شے ہے اور

اگر اس میں مردوں کی شہ اور معاشرے کے مصلحین کی تشویق بھی شامل ہو۔ نیز ماڈلنگ کے ادارے اور ملبوسات بنانے والی کمپنیاں بھی اس میں حصہ دار ہوں تو کیا کیفیت سامنے آئے گی ؟

اگر لڑکیاں اجتماعات میں سادہ لباس اور سادہ جوتے پہنیں اور پردہ کی رعایت کے ساتھ اسکول، کالج اور یونیورسٹی جائیں تو کیا ایسی صورت میں وہ بہتر طور پر تعلیم حاصل نہیں کر سکتیں؟ اصولاً ہم یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ اگر اس میں جنسی اغراض کا دخل نہیں تو پھر عورت کے اس صورت میں باہر نکلنے پر اصرار کیوں ہے ؟ مخلوط تعلیم پر آخر اس قدر زور کیوں دیا جاتا ہے ؟

میں نے سنا ہے کہ پاکستان میں یہ معمول رہا ہے۔ معلوم نہیں اب بھی ہے یا نہیں کہ یونیورسٹی کی کلاسوں میں لڑکوں اور لڑکیوں کو ایک پردہ ڈال کر علٰحدہ کر دیا جاتا ہے اور صرف استاد کو یہ حق ہے کہ وہ دونوں حصوں میں آمد و رفت رکھ سکے۔ آخر اس طرح کے طرزِ تعلیم میں کیا مضائقہ ہے ؟

میلان و رغبت میں اضافہ

پردے پر ایک اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ عورت اور مرد کے درمیان پردے کا وجود میلان و رغبت میں اضافہ کا باعث ہے۔ اس مقولہ کے مطابق کہ "انسان کو جس بات سے منع کیا جائے وہ اس میں تجسس کا باعث بنتا ہے۔"[1] پردہ مرد و زن میں ہوا و ہوس کی آگ کو تیز کرتا ہے۔ اس کے علاوہ خواہشات کی سرکوبی بہت سی نفسیاتی بیماریوں کا سبب بنتی ہے۔

جدید نفسیاتی علوم میں خاص کر فرائڈ[2] کے ہاں محرومیوں اور ناکامیوں کا بہت تذکرہ ہے وہ کہتا ہے کہ "ناکامیاں معاشرتی پابندیوں کی پیداوار ہیں۔ اسکا کہنا ہے کہ جہاں تک ہو سکے خواہشات کو آزاد چھوڑا جائے تاکہ ناکامیاں، محرومیاں اور اس کے نتیجے میں ہونیوالی بیماریاں پیدا نہ ہوں۔"

برٹرینڈ رسل میرے مشاہدے کی دنیا میں لکھتا ہے :

---

[1] اَلْاِنْسَانُ حَرِیْصٌ عَلٰی مَا مُنِعَ مِنْهُ

[2] Sigmund Freud یہودی المذہب آسٹروی ماہر نفسیات جو ۱۸۵۶ء میں فرینکفرٹ (جرمنی) میں پیدا ہوا اور ۱۹۳۹ء میں گلے کے سرطان میں مبتلا ہو کر لندن میں مرا۔

"روک ٹوک کا سب سے معمولی اثر عمومی طور پر تلاش اور جستجو کی تحریک ہے اور یہ تاثیر ادبیات اور دیگر مواد میں بھی غیر مستحسن رہی ہے۔ اب ہم روک ٹوک کی اثر پذیری کے بارے میں یونانی فلسفی EMPEDOCATES[1] کی مثال پیش کرتے ہیں جو غار[2] کے پتے چبانے کو بہت برا سمجھتا تھا اسے ہمیشہ یہ خوف رہتا کہ اس کے چبانے سے کہیں اسے دوزخ کے اندھیروں میں بسر اوقات نہ کرنا پڑے۔ اس کے برعکس چونکہ مجھے کبھی بھی غار کے پتے چبانے سے منع نہیں کیا گیا اس لیے میں نے آج تک اس درخت کے پتے نہیں چبائے۔ چونکہ امپیڈوکیٹس کو اس بات کی تاکید کی گئی تھی کہ وہ یہ کام نہ کرے، پس اس نے ایسا ہی کیا اور غار کے پتے چبانے لگا۔" (فارسی ترجمہ صفحہ ۶۹-۷۰)۔

اس کے بعد اس سوال کے جواب میں کہ کیا غیر اخلاقی موضوعات کی اشاعت سے لوگوں میں اس سے متعلق دل چسپی بڑھ جائے گی، رسل کہتا ہے:

"لوگوں کی دل چسپی اس سے ختم ہو جائے گی۔ اگر غیر اخلاقی مواد کی اشاعت کو عام کر دیا جائے تو وہ ایک یا دو سال تک لوگوں میں بڑا مقبول ہوگا لیکن اس کے بعد لوگ اس سے اکتا جائیں گے اور بالآخر اسے دیکھنا بھی گوارا نہیں کریں گے۔"

اس اعتراض کے جواب میں عرض ہے کہ یہ بات درست ہے کہ ناکامی اور خاص طور پر جنسی ناکامی خطرناک بیماریوں کو جنم دیتی ہے اور فطری تقاضے کی حد تک خواہشات کی تکمیل پر پابندی لگانا غلط ہے لیکن معاشرتی پابندیوں کا اٹھا لینا اس مشکل کو ختم نہیں کرتا بلکہ اس میں اضافہ کا باعث بنتا ہے۔

---

[1] چوتھی صدی قبل مسیح کا فلسفی جس نے عناصر اربعہ کا نظریہ پیش کیا تھا۔

[2] ملک شام کا ایک بڑا گھنا درخت، جسے اہل یونان بہت محترم سمجھتے تھے۔ اس درخت کی عمر ایک ہزار برس ہوتی ہے۔ اس کے پتے بید کے درخت کی مانند ہوتے ہیں۔ اس کا مزا تلخ، تیز اور خوشبودار ہوتا ہے۔ اس میں چھوٹے سفید رنگ کے پھول آتے ہیں۔ اس کا پھل ریٹھے کے برابر ہوتا ہے مگر چھلکا نازک اور سیاہ ہوتا ہے۔ اس کا گودا خوشبودار اور زرد ہوتا ہے مگر پرانا ہو کر اس کا رنگ گہرا سرخ ہو جاتا ہے۔ اس درخت کے پتے، چھال اور پھل طب میں کام آتے ہیں۔ فارسی میں اسے دھمست اور انگریزی میں Laurel کہتے ہیں۔

جنسی اعراض اور بعض دیگر خواہشات کے باب میں بندش اٹھالینا حقیقی عشق کے مفہوم کو ختم کردیتا ہے اور طبیعت کو آوارہ بنا دیتا ہے۔ اس سلسلے میں جو چیز جتنی عام ہوگی اس سے مختلف چیز کی طرف طبیعت مائل ہوگی۔

رسل کا کہنا ہے کہ "اگر فحش تصاویر کی اشاعت کو جائز قرار دیا جائے تو ایک عرصے کے بعد لوگ اس سے اکتا جائیں گے اور اسے دیکھنا بھی گوارا نہیں کریں گے۔" یہ اصول ایک خاص تصویر یا ایک مخصوص انداز کی بے حیائی پر صادق آتا ہے لیکن مطلق طور پر تمام بے حیائیوں پر صادق نہیں آتا۔ یعنی ایک خاص قسم کی بے حیائی سے دل بھر جاتا ہے مگر اس مفہوم میں ہرگز نہیں کہ اس کی جگہ شرم و حیا لے لے، بلکہ اس مفہوم میں کہ اس میں خواہشات کی آگ اور بھڑکتی ہے اور وہ ایک دوسرے انداز کا تقاضا کرتی ہے جو کبھی ختم ہونے والا نہیں۔

خود رسل ازدواج اور اخلاق نامی کتاب میں اعتراف کرتا ہے کہ "جنسی مسائل میں نفسانی خواہش جسمانی حرارت سے مختلف شے ہے۔ وہ شے جو رضایت سے تسکین پاتی ہے نفسانی خواہش نہیں جسمانی حرارت ہے۔"

اس نکتے پر توجہ ضروری ہے کہ جنسی مسائل میں آزادی شہوتوں کو اور زیادہ ہوا دیتی ہے۔ اس کی حقیقت ہمیں رومی، ایرانی اور عرب حرم سراداروں کی تاریخ سے ملتی ہے لیکن پابندی تغزّل اور تخیّل کو ایک لطیف اور بلند بشری احساس کی صورت میں ابھارتی ہے۔ صرف یہی وہ صورت ہے جس میں فنون و فلسفہ تخلیق کا منشا قرار پاتا ہے۔

لفظ عشق دو مفہوم میں استعمال ہوتا ہے۔ ایک حقیقی معنوں میں جسے بوعلی سینا نے "پاکیزہ عشق" کہا ہے اور دوسرا "مجازی" معنوں میں جو ہوس اور تصرف سے آلودہ ہے۔ یہ دونوں ہی رشتۂ نفس سے وابستہ ہیں اور دونوں کی اثر پذیری بھی نہ ختم ہونیوالی ہے۔ مگر دونوں میں بہت فرق پایا جاتا ہے۔ پاکیزہ عشق عمیق توانائیوں کو یکجا کرنیوالا اور یکتا پرست ہوتا ہے جبکہ آلودہ عشق توانائیوں کو بکھیرنے والا، تنوع پسند اور بے قید ہوتا ہے۔

فطری خواہشات کی دو قسمیں ہیں۔ پہلی محدود اور سطحی، جیسے کھانا پینا اور سونا۔ اس قسم کی خواہشات میں جونہی غریزہ کی تکمیل اور جسمانی طلب کی سیری ہوتی ہے، انسان کی رغبت بھی ختم ہوجاتی ہے بلکہ ممکن

ہے کثرت کے سبب یہ بیزاری میں بدل جائے لیکن فطری خواہش سے متعلق دوسری قسم بہت گہری اور ہیجان پذیر ہے جیسے زرپسندی یا جاہ طلبی ہے۔

اسی طرح جنسی میلانات کے بھی دو پہلو ہیں۔ ایک جسمانی حرارت جس کا شمار پہلی قسم میں ہوتا ہے جو محدود اور سطحی ہے لیکن دوسرے پہلو میں دو جنسوں کا ایک دوسرے سے دلی لگاؤ ایسا نہیں ہے۔ اس کی وضاحت کے لیے ہم ایک تقابل پیش کرتے ہیں۔

ہر ملک خوراک کے معاملے میں ایک خاص مقدار کا طالب ہوتا ہے، مثلاً اگر کسی ملک کی آبادی ۲۰ ملین ہے تو اس کی خوراک کی ایک حد معین ہوگی، جس سے کم پر اس کا گزارہ نہیں ہوگا۔ اس سے زائد خوراک اس کے لیے فالتو ہوگی۔ بالفرض، اگر اس کے پاس گندم کی فراوانی ہو تو وہ اسے سمندر میں پھینک دے گا۔ اگر ہم اس ملک سے اس کی سال بھر کی غذائی ضرورت سے متعلق سوال کریں کہ وہ کتنی ہے تو اس کا جواب ایک معین مقدار ہوگا لیکن اگر دولت کے بارے میں پوچھیں کہ کتنی رقم اس کے تمام افراد کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے کافی ہوگی، اس طرح کہ اگر ہم انہیں مزید پیسہ دینا چاہیں تو وہ یہ کہیں کہ بس ہم سیر ہو چکے ہیں ہمیں مزید ضرورت نہیں تو اس کا جواب یہ ہوگا کہ اس طلب کی کوئی حد نہیں ہے اور کوئی اس کا تعین نہیں کر سکتا۔

علم دوستی کی بھی یہی صورت ہے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک حدیث نقل ہوئی ہے کہ "دو بھوکے کبھی سیر نہیں ہوتے ایک طالب علم اور دوسرا طالب مال۔"[1]

جاہ طلبی کی بھی یہی کیفیت ہے۔ ہر فرد معاشرے میں خواہ کتنا ہی بلند مقام کیوں نہ حاصل کرلے پھر بھی اسے بلند تر مقام کی آرزو رہتی ہے اور بنیادی طور پر جہاں کہیں بھی جذبہ تصرف کا دخل ہو وہاں سیری کوئی مفہوم نہیں رکھتی۔

جنسی خواہش کے دو پہلو ہیں، ایک جسمانی اور دوسرا روحانی۔ جسمانی پہلو کے حدود معین ہیں۔ ایک یا دو عورتیں مرد کے جنسی جذبات کی تسکین کے لیے کافی ہیں لیکن تنوع پسندی اور روحانی پیاس کی شکل دوسری ہے۔

---

[1] مَنْهُومَانِ لَا يَشْبَعَانِ طَالِبُ عِلْمٍ وَّطَالِبُ مَالٍ

ہم پہلے اس طرف اشارہ کر چکے ہیں کہ اس موضوع سے متعلق روحانی کیفیات دو طرح کی ہیں جن میں سے ایک وہ عشق ہے جو فلسفیوں خاص طور پر الٰہیاتی فلسفیوں کے ہاں ملتا ہے۔ کیا یہ حقیقی عشق جسم اور جنس سے وابستہ ہے یا اس کا کوئی ایسا مقصد بھی ہے جو سو فیصد روحانیت سے مربوط ہو، یا پھر وہ تیسرے مرحلے میں داخل ہوتا ہے جہاں اس کا تعلق جنس سے تو ہوتا ہے مگر بعد میں اس پر معنویت طاری ہوتی ہے اور وہ غیر جنسی امور کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔

یہ روحانی پیاس فی الحال ہمارا موضوع نہیں ہے۔ اس نوعیت کی پیاس ہمیشہ انفرادی اور شخصی ہوتی ہے اور اس کا تعلق خاص موضوع یا خاص شخص سے ہوتا ہے اور وہ اس کے رابطہ کو اس کے غیر سے منقطع کرتا ہے۔ پیاس کی یہ نوعیت پابندیوں اور محرومیوں سے وجود میں آتی ہے۔

روحانی پیاس کی دوسری قسم وہ ہے جس کا تعلق حرص سے ہے جو جذبۂ شہوت اور جذبۂ تصرف کے دو ناقابل تسکین میلانات کا مجموعہ ہے اور یہ وہی کیفیت ہے جو کل کے حرم سرا داروں اور آج کے بیشتر سرمایہ داروں اور غیر سرمایہ داروں میں پائی جاتی ہے۔ اس قسم کی پیاس تنوّع چاہتی ہے، ایک سے دل بھر جاتا ہے تو دوسرے کی طرف توجہ ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عیاش لوگ متعدد عورتوں پر حق تصرف رکھتے ہوئے مزید عورتوں کے طلبگار رہتے ہیں۔ اسی قبیل کی جنسی پیاس آزاد معاشروں میں پہنچتی ہے جسے ہم ہوس کہتے ہیں۔

اوپر ہم کہہ چکے ہیں عشق بڑا عمیق، توانائیوں کو یکجا کرنے والا اور یکتا پرست ہے لیکن ہوس توانائیوں کو بکھیرنے والی تنوع پسند اور بے قید ہوتی ہے۔

طلب کی یہ قسم جسے ہوس کہا جاتا ہے کبھی تسکین نہیں پاتی۔ اگر کوئی شخص اس راستے پر چل پڑے اور اس کے پاس ہارون رشید یا خسرو پرویز جیسا حرم سرا ہو جو دوشیزاؤں سے اس طرح بھرا ہو کہ سال بھر میں ایک دفعہ ہر ایک کے پاس جانے کی باری نہ آئے، تب بھی اگر اس کو یہ خبر ملے کہ دنیا کے فلاں کونے میں ایک پری پیکر موجود ہے تو وہ راجا اندر یہی کہے گا کہ

بہت نکلے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے

کیونکہ اس میں دوزخ کی سی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے کہ جتنا اسے دیے جاؤ وہ مزید کی طلب گار ہوتی ہے۔ خداوند عالم فرماتا ہے: ہم جہنم سے کہیں گے کہ کیا تو پُر ہو چکی ہے تو وہ جواب دے گی کہ

کیا کچھ اور نہیں ملے گا؟ (سورۂ ق۔ آیت ۳۰)۔

آنکھ حسینوں کو دیکھنے سے کبھی نہیں تھکتی اور دل بھی اس کے ساتھ اس کے پیچھے پیچھے چلتا ہے۔ بقول شاعر ؎

دل برود چشم چو مایل بود دستِ نظر رشتہ کشِ دل بود

ایسے حالات میں کثرت کسی طرح بھی سیری کا باعث نہیں بنتی اور اگر کوئی اس راہ پر چلنا چاہتا ہے تو وہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے کوئی لکڑی کے ذریعے آگ کا پیٹ بھرنا چاہے۔

کلی طور پر خواہشات، انسانی فطرت کا ایک حصہ ہیں اور ان پر کوئی پابندی نہیں لگائی جا سکتی۔ انسان فطرتاً "بہت کچھ" کا طالب بن کر خلق ہوا ہے اور جب یہ روحانی طلب مادیات کا راستہ اختیار کرے تو پھر اسکا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے۔ ایک مرحلہ پر پہنچ کر دوسرے مرحلہ کی طلب اس میں پیدا ہو جاتی ہے۔

جو لوگ نفس امّارہ کی طغیانی کو صرف محرومیوں اور اس سے وجود میں آنے والی الجھنوں کی پیداوار سمجھتے ہیں وہ سخت غلطی پر ہیں۔ جس طرح محرومیاں شہوانی احساس کی سرکشی اور طغیانی کا سبب بنتی ہیں، اسی طرح اطاعت، پیروی اور تسلیم مطلق بھی شہوات کی سرکشی اور طغیانی کا سبب ہوتی ہے۔ انہوں نے فرائڈ کی طرح سکّہ کا ایک رُخ دیکھا ہے اور دوسری طرف نظر نہیں کی ہے۔

ہمارے عارفین نے اس نکتہ کو پوری طرح سمجھا ہے اور فارسی و عربی ادب میں کثرت سے اس کی طرف اشارہ ہوا ہے۔ شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں:

فرشتہ خوی شود آدمی زکم خوردن وگر خورد چو بہائم بیفتد او چو جماد

مراد ہر کہ برآری مطیع امر تو گشت خلاف نفس کہ فرمان دھد چو یافت مراد

قصیدۂ بُردہ میں جسے اسلامی ادبیات کا شاہکار سمجھا جاتا ہے اور جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں لکھا گیا ہے اور پند و نصائح سے مالا مال ہے، بوصیری مصری کہتا ہے:

نفس کی مثال بچے کی سی ہے، جسے ماں کے دودھ سے رغبت ہے۔ اگر اسے اس کے حال پر باقی رکھا جائے تو وہ اسی رغبت پر قائم رہے گا جو روز بروز اس میں راسخ ہوتی جائے گی اور اگر دودھ سے روکا جائیگا تو وہ ترک پستان کا خوگر ہوتا جائے گا۔ [1]

---

[1] اَلنَّفْسُ کَالطِّفْلِ اِنْ تُھْمِلْہُ شَبَّ عَلٰی حُبِّ الرِّضَاعِ وَاِنْ تَفْطِمْہُ یَنْفَطِمْ

ایک اور صاحب نظر کا شعر ہے، جس کا مفہوم کچھ یوں ہے کہ:

نفس کی رغبت کے جتنے زیادہ اسباب فراہم کروگے، وہ تمہاری رغبت میں اتنا ہی اضافہ کرتا رہے گا لیکن اگر تم اس کی رغبت کو کم کرنے کی عادت ڈالوگے تو وہ قناعت اختیار کرلے گا۔"[1]

فرائڈ اور اس کے ہمخیال افراد کی غلطی یہ ہے کہ انھوں نے یہ گمان کیا کہ غرائز کی تسکین کا واحد ذریعہ یہ ہے کہ جتنا ہو سکے انھیں غذا فراہم کی جائے۔ انھوں نے فقط پابندیوں اور اس کے نتیجے میں ظاہر ہونیوالی الجھنوں پر توجہ دی اور پابندی کو خواہشات کی سرکشی کا سبب گردانا۔ ان کا خیال یہ ہے کہ خواہشات کی تکمیل کے لیے انہیں مطلق آزادی دینی چاہیے۔ وہ بھی اس مفہوم میں کہ عورت کو ہر طرح کی جلوہ گری اور مرد کو اس سے ہر طرح کی لطف اندوزی کی اجازت ہونی چاہیے۔

انھوں نے مسئلے کا صرف ایک رُخ دیکھا اور اس طرف دھیان ہی نہیں دیا کہ جس طرح پابندیاں خواہشات کو دبا کر نفسیاتی الجھنیں پیدا کرتی ہیں اسی طرح خواہشات کا غلام بننا اور ہیجانات کے سمندر میں ڈوب جانا بھی انسان کو دیوانہ بنا دیتا ہے اور چونکہ ہر فرد کی خواہش پوری نہیں ہوتی اس لیے اس کی خواہش زیادہ دباؤ میں آتی ہے اور نفسیاتی الجھن پیدا کرتی ہے۔

ہماری رائے میں خواہش کی تکمیل کے لیے دو چیزیں ضروری ہیں۔ ایک تو یہ کہ اسے فطری ضرورت کے مطابق پورا کیا جائے اور دوسرے یہ کہ اس کی تحریک کی راہ روکی جائے۔

انسان فطری حاجتوں کے اعتبار سے تیل کے کنوئیں کی مانند ہے جس میں اندرونی گیسوں کا اکٹھ اس کے پھٹ پڑنے کا خطرہ پیدا کرتا ہے۔ ایسی صورت میں اس کی گیس کو خارج کرکے اسے جلا دینا چاہیے لیکن اس عمل کو اعتدال کے ساتھ انجام دینے کی ضرورت ہے۔

جب معاشرہ کان، آنکھ اور ہاتھ کی آزادی کے ذریعے خواہشات میں طوفان کے اسباب فراہم کرے اور پھر اس بے قید جذبے کو سکون بخشنا چاہے تو یہ بات ناقابل اثر ہوگی۔ اس طریقے سے ہرگز سکون میسر نہیں آسکتا بلکہ اس طرح تو اضطراب بڑھے گا اور خواہشات کی عدم تسکین نفسانی عوارض کو جنم دیگی جس کے نتیجے میں جرائم بڑھ جائیں گے۔

---

[1] اَلنَّفْسُ رَاغِبَةٌ اِذَا رَغَّبْتَهَا ۔ وَاِذَا تُرَدُّ اِلٰی قَلِیْلٍ تَقْنَعٗ

جنسی خواہشات کی بے حساب تحریک تیز تر جوانی اور زود رس بڑھاپے جیسے امراض کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے عرفا نے جو یہ کہتے ہیں :-

مراد ہر کہ بر آری مطیع امر تو گشت   خلاف نفس کہ فرمان دھد چو یافت مراد

اپنے صاف باطن کے سبب ان باریک نکتوں کو پا لیا تھا جنہیں موجودہ دور کے وہ ماہرین نفسیات نہیں پا سکے جن کا ساری دنیا میں شہرہ ہے۔

اَلْاِنْسَانُ حَرِیْصٌ عَلٰی مَامُنِعَ مِنْهُ والی کہاوت بھی صحت پر مبنی مفہوم ہے لیکن اس کی وضاحت ضروری ہے۔ انسان اس چیز کی طرف راغب ہوتا ہے جس سے لسے روکا بھی جائے اور جس کا اسے شوق بھی دلایا جائے۔ جیسے کسی شخص میں کسی شے کی تمنا پیدا کی جائے اور پھر اس کو اس سے روکا جائے لیکن اگر کسی شے کو سامنے نہ لایا جائے یا وہ بہت کم دیکھنے میں آئے تو اس کی طرف رغبت اسی نسبت سے کم ہوتی جائے گی۔

فرائڈ جو بڑے شد و مد سے جنسی آزادی کا حامی تھا بعد میں اس طرف متوجہ ہوا کہ جنسی آزادی کو عام کرنے میں اس سے سخت غلطی سرزد ہوئی ہے۔ چنانچہ اس نے حالات کا رخ موڑنا چاہا۔ اس کی متعین کردہ دوسری راہ یہ تھی کہ لوگ اپنی توجہ ہٹانے کے لیے نقاشی اور اسی طرح کے دیگر علمی اور فنی مشغلے اختیار کریں، گویا کہ وہ نظریۂ صعود کا داعی بن گیا یعنی جنسی آزادی کی اخلاقی پستی سے نکلنے میں کوشاں ہوا کیونکہ تجربے نے اسے یہ بات بتا دی تھی کہ پابندیاں اٹھا لینے سے معاشرے میں جنسی خواہشات سے متعلق نفسیاتی بیماریوں کی بہتات ہو جاتی ہے۔

ہمارے ہاں کچھ نا فہم افراد اُن طالب علموں سے کہتے تھے جو اُن سے بھی بڑھ کر نادان تھے کہ صرف مشرق کے رہنے والے غیر فطری فعل کا ارتکاب کرتے ہیں کیونکہ مشرق میں پردے نے اور دیگر پابندیوں نے مردوں کے لیے عورت کی قربت کو مشکل بنا دیا ہے لیکن زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ یہ بات کھلی کہ اس فعل کا رواج مغرب والوں میں مشرق والوں سے سو فیصد زیادہ ہے۔

ہمیں اس بات سے انکار نہیں کہ عورت تک رسائی نہ ہونا جنسی بے راہ روی کا سبب بنتا ہے لہٰذا شادی کی شرائط کو زیادہ سہل ہونا چاہیے لیکن یہ بات بھی بلا خوف تردید کہی جا سکتی ہے

کہ معاشرے میں جس قدر عورت کے آزاد اجتماعی تعلقات جنسی بے راہ روی کا باعث ہوتے ہیں، محرومی اور نارسائی اس کی پاسنگ بھی نہیں۔

اگر مشرق میں محرومی جنسی بے راہ روی کا سبب ہے تو مغرب میں اس کا سبب شہوت پرستی کی کثرت ہے۔ یہاں تک کہ بعض ممالک نے لواطت کو قانونی حیثیت دیدی اور کہا کہ چونکہ انگلستان کی آبادی نے عملاً اس فعل کو قبول کر لیا ہے اس لیے قانون ساز ادارہ کو چاہیے کہ وہ قوم کی پیروی کرے۔ گویا ایک طرح کا جبری ریفرنڈم عمل میں آیا ہے۔ انہوں نے یہیں تک بس نہیں کیا بلکہ میں نے تو کسی رسالے میں پڑھا تھا کہ بعض یورپی ممالک میں لڑکے قانونی طور پر آپس میں نکاح کرتے ہیں۔

مشرقی دنیا میں بھی محروم افراد اس قدر جنسی بے راہ روی کا شکار نہیں ہیں جس قدر صاحبان حرم سرا اس میں مبتلا تھے۔ چونکہ اس تمام تر بے راہ روی کا آغاز شاہی محلات (بلاط الملوک) سے ہوا تھا اس لیے اس کی ذمہ داری بھی سلاطین پر ہی عائد ہوتی ہے۔

پانچواں باب

اسلامی پردہ

قرآن مجید میں سورۂ نور اور سورۂ احزاب میں پردے سے متعلق آیات وارد ہوئی ہیں۔ اس باب میں ہم پہلے ان آیات کی تفسیر بیان کریں گے۔ بعدہٗ پردے کے بارے میں فقہی مسئلوں، روایتوں اور فتووں پر گفتگو کریں گے۔ سورۂ نور میں اس موضوع سے متعلق جو آیت ہے اس کا نشان ۳۱ ہے اس سے قبل کی آیتیں گھروں میں اذنِ دخول سے متعلق ہیں جو زیر بحث آیت کے باب میں تمہید کا حکم رکھتی ہیں۔ لہٰذا ہم اسی مقام سے آیات کی تفسیر شروع کرتے ہیں:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّىٰ تَسْتَأْنِسُوا وَتُسَلِّمُوا عَلَىٰ أَهْلِهَا .... وَتُوبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَ الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ

مومنو! اپنے گھروں کے سوا دوسرے لوگوں کے گھروں میں گھر والوں سے اجازت لیے اور ان کو سلام کیے بغیر داخل نہ ہوا کرو۔ یہ تمہارے حق میں بہتر ہے اور ہم یہ نصیحت اس لیے کرتے ہیں کہ شاید تم یاد رکھو۔ اگر تم گھر میں کسی کو موجود نہ پاؤ تو جب تک تم کو اجازت نہ دی جائے اس میں مت داخل ہو اور اگر

یہ کہا جائے کہ اس وقت لوٹ جاؤ تو لوٹ جایا کرو۔ یہ تمہارے لیے بڑی پاکیزگی کی بات ہے اور جو کام تم کرتے ہو خدا سب جانتا ہے۔ ہاں اگر تم کسی ایسے مکان میں جاؤ جس میں کوئی رہتا نہ ہو اور اس میں تمہارا کچھ فائدہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو پوشیدہ رکھتے ہو خدا کو سب معلوم ہے۔ مومن مردوں سے کہہ دو کہ اپنی نظریں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کیا کریں۔ یہ ان کے لیے بڑی پاکیزگی کی بات ہے اور جو کام یہ کرتے ہیں خدا ان سے خبردار ہے اور مومن عورتوں سے بھی کہہ دو کہ وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کیا کریں اور اپنی زینتوں کو ظاہر نہ ہونے دیا کریں مگر جو آپ ہی ظاہر ہو جاتی ہوں اور اپنے سینوں پر اوڑھنیاں اوڑھے رہا کریں اور اپنے شوہر، باپ، خسر، بیٹوں، شوہر کے بیٹوں، بھائیوں، بھتیجوں، بھانجوں اور اپنی عورتوں، لونڈی غلاموں کے سوا، نیز ان مردوں کے جو عورتوں کی خواہش نہیں رکھتے یا ایسے لڑکوں کے جو عورتوں کے جنسی امور سے واقفیت نہیں رکھتے ——— کسی پر بھی اپنی زینت اور آرائش کے مقامات کو ظاہر نہ ہونے دیں اور اپنے پاؤں اس طور سے زمین پر نہ ماریں کہ جھنکار کانوں میں پہنچے اور ان کا پوشیدہ زیور معلوم ہو جائے اور مومنو! سب خدا کے آگے توبہ کرو تاکہ فلاح پاؤ۔ (سورۂ نور، آیت ۲۷/۳۱)

پہلی اور دوسری آیت کی رُو سے مومنین کو بغیر اجازت دوسروں کے گھروں میں داخل نہیں ہونا چاہیے جبکہ تیسری آیت میں غیر رہائشی مکانات اس حکم سے مستثنیٰ قرار دیے گئے ہیں۔ اس کے بعد کی دو آیتیں مرد اور عورت کی ان ذمہ داریوں کا ذکر کرتی ہیں جو اُن کی بُود و باش سے متعلق ہیں، مثلاً:

(۱) ہر مسلمان مرد اور عورت کو چاہیے کہ آنکھ ڈالنے اور آنکھ لڑانے سے اجتناب کرے۔
(۲) ہر مسلمان مرد اور عورت کو چاہیے کہ پاکدامنی اختیار کرے اور اپنی شرمگاہوں کو دوسروں سے چھپائے۔

(۳) عورتوں کو چاہیے کہ اپنے بناؤ سنگھار کو دوسروں پر ظاہر نہ ہونے دیں اور مردوں کی دلچسپی کا سبب نہ بنیں۔

(۴) عورت کے پردے کے متعلق دو استثناؤں کا تذکرہ ہوا ہے۔ ایک وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا جو عام مردوں سے متعلق ہے اور دوسرا وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ خاص مردوں کے لیے عورت کے پردے کو مستثنٰی قرار دیتا ہے۔

ہم ترتیب کے ساتھ ان آیتوں کے مفاہیم کو زیرِ بحث لاتے ہیں:

اجازت

احکام اسلام کی رو سے کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ پیشگی اطلاع یا اجازت کے بغیر کسی کے گھر میں داخل ہو۔

دورِ جاہلیت کے عربستان میں جہاں قرآن مجید نازل ہوا یہ رواج نہیں تھا کہ کسی کے گھر میں داخل ہونے کے لیے اجازت طلب کی جائے۔ تمام گھروں کے دروازے کھلے رہتے تھے۔ جیسا کہ آج بھی کئی دیہاتوں میں ہوتا ہے۔ لوگ دن رات گھروں کے دروازے کھلے رکھتے تھے، کیونکہ دروازے وہاں بند رکھے جانے چاہئیں جہاں چوروں کا خوف ہو اور وہاں ایسا کوئی خوف نہیں تھا۔ سب سے پہلے جس نے دو پٹ والے دروازوں کا حکم دیا وہ معاویہ تھا اور اسی نے حکم دیا تھا کہ دروازے بند رکھے جائیں۔

بہر حال چونکہ گھروں کے دروازے ہمیشہ کھلے رہتے تھے اور عربوں میں اجازت طلب کرنے کا رواج بھی نہیں تھا بلکہ طلب اجازت کو وہ اپنی توہین سمجھتے تھے اس لیے بغیر پیشگی اطلاع یا اجازت کے ایک دوسرے کے گھروں میں داخل ہوتے تھے۔

اسلام نے اس غلط رواج کو ختم کیا اور حکم دیا کہ بغیر اطلاع کے کوئی کسی کے گھر میں داخل نہ ہو۔ اس حکم میں دوہرا فلسفہ ہے: پہلا یہ کہ ناموس یعنی عورت کا پردہ اور اسی لیے یہ حکم پردے کی آیتوں کے ساتھ ایک ہی مقام پر لایا گیا ہے اور دوسرا یہ کہ ہر شخص اپنی جائے سکونت میں کچھ نجی امور رکھتا ہے اور چاہتا ہے کہ دوسروں کو اس کا علم نہ ہو۔ چنانچہ دو جگری دوستوں

کو بھی اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کیونکہ ممکن ہے دو گھرے دوست پوری یگانگت کے باوجود اپنی نجی زندگی سے متعلق بعض رازوں کو ایک دوسرے سے پوشیدہ رکھنا چاہیں۔

اس بنا پر یہ نہیں سوچنا چاہیے کہ طلب اذن کا حکم صرف ان گھروں پر لاگو ہوتا ہے جن میں عورتیں ہوتی ہیں۔ یہ حکم مطلق اور عام ہے۔ وہ مرد اور عورتیں جن کا ایک دوسرے سے پردہ ضروری نہیں، ممکن ہے اپنے گھر میں ایسی حالت میں ہوں کہ کسی دوسرے کا انہیں دیکھنا ان کے لیے گراں ہو۔ بہرصورت یہ حکم کُلّی ہے اور اس کا فلسفہ بھی پردے کے فلسفے سے زیادہ کُلّیت رکھتا ہے۔

حَتّٰی تَسْتَاْنِسُوْا کا جملہ جو اس مفہوم میں ہے کہ جب تک اعلان نہ کرو داخل نہ ہو، اچانک داخل ہونے کے عیب کو ظاہر کرتا ہے۔ یہ لفظ انس کے مادہ سے ماخوذ ہے جو خوف کی ضد ہے۔ یہ لفظ سمجھاتا ہے کہ ایک رہائشی گھر میں آپ کا داخلہ اطلاع اور طلبِ انس کے ساتھ ہونا چاہیے۔ اچانک اور بغیر اطلاع کے داخل ہونا خوف اور ناراضگی کا باعث ہوتا ہے۔

ایسی روایتیں وارد ہوئی ہیں کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ حکم دیا کہ "سبحان اللہ" یا "اللہ اکبر" وغیرہ جیسے کلمات دہرا کر اپنے آنے کی اطلاع دی جائے۔ ہمارے یہاں ایران میں یَا اَللّٰہ کہنے کی رسم ہے اور یہ اسی حکم کی پیروی میں ہے جسے قرآن نے عائد کیا ہے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کیا یہ طلب اذن کا حکم خود اپنے کنبے اور قریبی رشتہ داروں پر بھی لاگو ہوتا ہے؟ کیا ہمیں اپنی ماں یا بیٹی کے گھر میں داخل ہونے کے لیے بھی اجازت درکار ہو گی؟ آپ نے فرمایا کہ اگر تمہاری ماں اپنے کمرے میں برہنہ ہو اور تم بے خبر داخل ہو جاؤ تو کیا یہ امر پسندیدہ ہو گا؟ عرض کیا گیا نہیں۔ آپ نے فرمایا: پس اجازت طلب کرو۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنفسِ نفیس اس دستور پر عمل کرتے تھے اور اپنے اصحاب کو بھی اس کی تاکید فرماتے تھے۔ شیعہ اور سنی علماء نے اس بات کو نقل کیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ یہ تھا کہ آپ گھر کے دروازے پر کھڑے ہوتے اور فرماتے: اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا اَھْلَ الْبَیْتِ، اگر اجازت مل جاتی تو آپ داخل ہو جاتے اور اگر جواب نہیں آتا تو آپ سلام کی تکرار فرماتے کیونکہ ایسا ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص پہلی اور دوسری آواز نہ سن سکے لیکن اگر تیسری دفعہ بھی جواب نہ ملتا تو آپ لوٹ جایا کرتے تھے اور فرماتے تھے یا گھر میں کوئی نہیں ہے یا وہ نہیں چاہتے

کہ ہم اس وقت ان کے گھر میں داخل ہوں۔ اس دستور پر آپ اپنی بیٹی فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے گھر کے بارے میں بھی عمل فرماتے تھے۔

یہاں اس آیت کے ضمن میں ایک اہم نکتے کا تذکرہ بھی ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ لفظ بیوت جو بیت کی جمع ہے کمرے کے مفہوم میں آتا ہے۔ عربی میں گھر کے مفہوم میں جو لفظ استعمال ہوتا ہے وہ دار ہے۔ البتہ خراسان کی طرح ایران کے بعض حصوں میں گھر کے لیے کمرہ کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ بہر حال بیوت کمروں کو کہتے ہیں اور یہاں سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ طلب اذن کمروں میں داخل ہونے کے لیے ہے نہ گھروں کے آنگن میں داخلے کے لیے!

لیکن یہ بات قابل توجہ ہے کہ عربوں کے گھروں کے دروازے چونکہ ہمیشہ کھلے رہتے تھے اور ان کے ہاں گھروں کے صحنوں کو خصوصی اہمیت حاصل نہیں تھی اور اگر کوئی بے لباس رہنا چاہتا تھا تو اس کی جگہ کمرہ ہی تھی۔ لیکن جہاں صحن بھی کمرے کی صورت اختیار کرے جیسا کہ ہمارے یہاں (ایران میں) رسم ہے کہ دروازے بند ہیں اور دیواریں اونچی اٹھائی گئی ہیں، گو کہ ہم اسے کمرہ جیسی مکمل خلوت کی جگہ تو نہیں کہہ سکتے تاہم کسی حد تک صحن بھی خصوصی اہمیت کا حامل ہے لہٰذا ایسے مقامات کے لیے بھی طلب اذن حکم وجوب کی صورت رکھتا ہے۔

آیت کے اختتام پر ارشاد ہوتا ہے: ذَالِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ یعنی یہی طریقہ تمہارے لیے بہتر ہے۔ گویا ہم نے جو حکم جاری کیا ہے وہ بے دلیل نہیں ہے۔ اس کا ایک فلسفہ ہے۔ اس میں تمہارے لیے مصلحت پوشیدہ ہے۔ شاید کہ تم اس بارے میں سوچو اور اس کی مصلحت دریافت کرو۔

اس کے بعد دوسری آیت میں ارشاد ہوتا ہے: اپنے آنے کی اطلاع دو اور اجازت طلب کرو اور طلب اجازت کے بعد جب یہ معلوم ہو جائے کہ گھر میں کوئی موجود نہیں ہے تو اس گھر میں داخل نہ ہو۔ مگر یہ کہ تمہیں اس بات کی اجازت دیدی گئی ہو۔ مثلاً گھر کا مالک گھر کی چابی تمہیں دے جائے یا خود موجود ہو اور تمہیں اجازت دے۔

اور پھر ارشاد ہوتا ہے: وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا۔ اگر گھر والا تمہیں واپس لوٹ جانے کے لیے کہے اور اندر آنے کی اجازت نہ دے تو واپس لوٹ جاؤ اور برا محسوس نہ کرو۔

ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ اہل عرب اجازت طلب کرنے کو اپنے لیے باعثِ توہین سمجھتے تھے۔ یہ ان کی ایک نادانی تھی۔ آج ہمارے معاشرے کی بھی یہی کیفیت ہے کہ آنے والے کو اجازت نہ دینا خواہ وہ کسی معقول عذر ہی کی بنا پر کیوں نہ ہو اس کی توہین سمجھی جاتی ہے اور یہ نادانی ہے۔ اگر کوئی کسی کے گھر جائے اور گھر والا یہ کہے کہ ابھی میرے پاس ملاقات کے لیے وقت نہیں ہے تو یہ بات اس پر گراں گزرتی ہے اور اسے غصہ آجاتا ہے۔ اب وہ جہاں جائے گا یہ کہے گا کہ میں فلاں کے گھر گیا تھا مگر اس نے بداخلاقی کا مظاہرہ کیا اور مجھے گھر میں آنے نہ دیا۔ یہ بھی ایک نادانی اور جہالت ہے۔

ہمیں قرآنی حکم پر عمل پیرا ہونا چاہیے۔ احکامات قرآن کی پیروی ہمیں بہت سی تکلیفوں اور رنجشوں سے نجات دلاتی ہے۔ جھوٹ اور غلط بیانیوں کا ایک سلسلہ اس کج رفتاری اور بیجا توقعات کی پیداوار ہے جو ہم میں رواج پا گیا ہے۔

کوئی شخص پیشگی اطلاع کے بغیر کسی کے گھر جاتا ہے۔ گھر والا اس سے اس وقت نہیں ملنا چاہتا۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ کسی ضروری کام میں مصروف ہوتا ہے اور اس وقت کی ملاقات اس کے لیے تکلیف دہ ہوتی ہے، اس لیے وہ کہلوا دیتا ہے کہ وہ گھر پر نہیں ہے۔ تاہم آنے والے کو اس جھوٹ کا علم ہو جاتا ہے مگر وہ غلطی پر ہوتا ہے کیونکہ وہ پہلے سے وقت کا تعین کیے بغیر اس سے ملنے آتا ہے۔ ادھر گھر والے کو بھی یہ جرأت نہیں ہوتی کہ وہ اس سے معذرت چاہے اور کہے کہ اس وقت ملاقات کے لیے اس کے پاس وقت نہیں ہے۔ اگر وہ ایسا کر بھی دے تو آنے والے میں اتنی سمجھ نہیں کہ وہ اس کی معذرت کو سمجھے۔ اس کی بجائے وہ ساری عمر گلہ کرتا رہے گا کہ فلاں شخص کے گھر گیا لیکن اس نے ملنے سے انکار کر دیا۔

یہی وجہ ہے کہ ایسے مواقع پر جھوٹ بولا جاتا ہے تاکہ ملاقاتی سے کوئی رنجش پیدا نہ ہو لیکن اگر قرآنی دستور کی رعایت کی جائے تو نہ جھوٹ بولا جائے گا اور نہ ہی رنجش ہوگی۔ لہٰذا ارشاد ہوتا ہے:

هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ یعنی یہی طریقہ تمہارے لیے پاکیزہ تر ہے۔

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ یعنی جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔

یہاں مجھے مرحوم آیت اللہ بروجردی سے متعلق ایک واقعہ یاد آیا ہے جسے میں نقل کرتا ہوں۔

جن دنوں میں قُم میں تھا، ایران کے ایک مشہور خطیب قم تشریف لائے۔ اتفاقاً وہ میرے کمرے میں ٹھہرے اور لوگوں سے میرے ہی کمرے میں ملاقات کرتے تھے۔ ایک روز ایک صاحب آئے اور ان خطیب صاحب کو آیت اللہ بروجردی کے مکان پرلے گئے۔ آیت اللہ کے درس میں ایک گھنٹہ باقی تھا اور آپ مطالعہ میں مصروف تھے کیونکہ وہ وقت آپ کے مطالعہ کا تھا اور اس موقع پر آپ کسی سے ملاقات نہیں کیا کرتے تھے۔ آپ نے نوکر سے کہلوا بھیجا کہ یہ وقت میرے مطالعہ کا ہے، کسی اور وقت تشریف لائیں۔ وہ خطیب واپس آگئے اور اتفاقاً اسی روز اپنے شہر کو لوٹ گئے۔ اس روز جب جناب آیت اللہ بروجردی درس کے لیے تشریف لائے اور مجھے صحن میں بیٹھا دیکھا تو فرمایا: میں درس کے بعد فلاں صاحب سے ملنے تمہارے کمرے میں آؤں گا۔ میں نے عرض کیا وہ تو چلے گئے۔ فرمایا: "جب کبھی ان سے ملو تو کہہ دینا کہ جس وقت آپ میری ملاقات کو آئے تھے، میری کیفیت وہی تھی جو آپ کی تقریر سے پہلے تیاری کے وقت ہوا کرتی ہے۔ میں یہ چاہتا تھا کہ جب ہم ایک دوسرے سے ملیں تو یکسوئی سے گفتگو کر سکیں۔ اس وقت میں مطالعہ میں مصروف تھا کیونکہ مجھے درس کے لیے تیار ہو کر آنا تھا۔"

ایک مدّت کے بعد میں اس خطیب سے ملا اور آیت اللہ بروجردی کی معذرت پہنچائی، میں نے سنا تھا کہ کچھ لوگوں نے یہ کہہ کر ان کے دل میں یہ شکوک پیدا کر دیے تھے کہ جان بوجھ کر آپ کی توہین کی گئی ہے اور آپ سے ملاقات سے انکار کر دیا گیا ہے۔ میں نے اس محترم خطیب سے کہا: جناب آیت اللہ بروجردی آپ سے ملنے آنا چاہتے تھے مگر جب انہیں معلوم ہوا کہ آپ جا چکے ہیں تو بہت معذرت خواہ ہوئے۔

انہوں نے ایک جملہ کہا جو میرے لیے بہت دلچسپ تھا۔ انھوں نے کہا: "نہ صرف یہ کہ میں نے ذرا برابر اس بات کو محسوس نہیں کیا بلکہ اس سے بہت خوش ہوا کیونکہ ہم اہل یورپ کی تعریف کرتے ہیں کہ وہ بہت کھرے اور بے لاگ ہوتے ہیں اور بیجا لگی لپٹی نہیں رکھتے۔ میں نے تو ان سے وقت نہیں لیا تھا بلکہ غفلت کے سبب نامناسب وقت پر ان کے ہاں گیا تھا۔ مجھے تو اس مرد خدا کی صراحت اچھی لگی کہ اس نے صاف طور سے کہہ دیا کہ اس وقت میں مطالعے میں مصروف ہوں۔ کیا یہ بات اچھی ہوتی کہ وہ بے چینی کے عالم میں مجھ سے ملتے؟ ان

کا دل اندر ہی اندر سے کڑھتا اور وہ جی ہی جی میں کہتے، "نہ معلوم یہ کونسی بلا مجھ پر نازل ہوگئی ہے جس نے میرا وقت بھی خراب کیا اور درس بھی! مجھے تو اس بات سے بڑی خوشی ہوئی کہ انہوں نے بڑی صاف گوئی کے ساتھ مجھے لوٹایا۔ مسلمانوں کے مرجع کے لیے ایسی صاف گوئی بڑی اچھی بات ہے۔"

اب ہم پھر آیتوں کی تفسیر کی طرف آتے ہیں۔ بعد کی آیت میں ارشاد ہوتا ہے: لَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ مَسْکُوْنَۃٍ فِیْھَا مَتَاعٌ لَّکُمْ اس آیت میں استثنا کیا گیا ہے۔ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ طلب اذن کا جو حکم تمہیں دیا گیا ہے وہ صرف ان مکانات کے لیے ہے جن میں کوئی رہتا ہے اور وہ خلوت گاہ شمار ہوتے ہیں۔ ورنہ جہاں عام طور پر آمد و رفت رہتی ہو وہاں یہ حکم لاگو نہیں ہوتا، خواہ وہ مکان کسی اور کا ہی کیوں نہ ہو۔

مثلاً اگر آپ کو کسی دفتر، دکان یا عمارت میں کوئی کام ہے تو ضروری نہیں کہ آپ چوکھٹ پر کھڑے ہو کر اندر آنے کی اجازت چاہیں۔ اسی طرح وہ عام حمام ہے کہ جس کا دروازہ کھلا ہو۔ ان موارد میں طلب اذن ضروری نہیں ہے۔ اس میں کوئی قباحت نہیں ہے کہ آپ کسی کام کے تحت غیر رہائشی مکانوں میں بغیر اجازت داخل ہوں۔

فِیْھَا مَتَاعٌ لَّکُمْ کی قید ہمیں یہ سمجھاتی ہے کہ اس طرح کے مکانوں میں انسان کا داخلہ صرف اس صورت میں روا ہے کہ جب اسے وہاں کوئی کام ہو۔ خواہ مخواہ مالکان کے لیے تکلیف کا باعث نہیں بننا چاہیے۔

وَاللّٰہُ یَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَکْتُمُوْنَ یعنی خدا تمہارے ظاہر و باطن کو خوب جانتا ہے اور تمہاری نیتوں سے خوب واقف ہے کہ تم کس ارادے سے کس کے گھر میں داخل ہوتے۔

اور پھر ارشاد ہوتا ہے: قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِھِمْ وَیَحْفَظُوْا فُرُوْجَھُمْ ...... یعنی (اے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان مومنوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔

عین اور بصر

اس آیت میں لفظ اَبْصَار استعمال ہوا ہے جو بَصَر کی جمع ہے۔ بَصَر اور عَیْن میں وہی فرق ہے جو نگاہ اور آنکھ میں ہے۔ عین جسے اردو میں آنکھ کہتے ہیں ایک عضو کا نام ہے اور کارکردگی کی صفت جو دیکھنے سے متعلق ہے اس میں شامل نہیں لیکن بصر جسے اردو میں نگاہ کہتے ہیں اس اعتبار سے آنکھ ہے کہ اس سے دیکھنے کا کام لیا جاتا ہے

جب کوئی شاعر اپنے محبوب کی آنکھوں کی تعریف کرنا چاہتا ہے تو وہ دیکھنے کے عمل پر توجہ نہیں دیتا اور لفظ آنکھ استعمال کرتا ہے۔ نگاہ اس مقام پر استعمال نہیں ہوتا کیونکہ یہاں آنکھ کی سیاہی، سرخی اور مستی اس کے پیش نظر ہے۔

لیکن جب بات دیکھنے کی ہو تو لفظ نگاہ استعمال ہوتا ہے۔ زیر بحث آیت میں چونکہ دیکھنے کا عمل مراد ہے اس لیے لفظ عُیُوْن نہیں بلکہ اَبْصَار استعمال ہوا ہے۔

غض اور غمض

اس آیت میں دوسرا لفظ یَغُضُّوْا استعمال ہوا ہے جس کا مادہ غَضّ ہے۔ غَض اور غمض دو لفظ ہیں جو آنکھ کے ساتھ استعمال ہوتے ہیں بعض افراد ان دونوں کا مفہوم غتر بود کر دیتے ہیں۔ پہلے ہمیں ان دونوں کے معانی کو طے کرنا چاہیے۔ پلکوں کو ایک دوسرے پر سلا دینا غمض ہے اور غمض کرنا کنایہ ہے۔ صرف نظر کرنے سے۔ جیسا کہ آپ ملاحظہ فرما رہے ہیں کہ لفظ غمض عَیْن کے ساتھ ہے بصر کے ساتھ نہیں۔

لیکن غَضّ کے ساتھ غضِّ بصر، غضِّ نظر اور غضِّ طرف تینوں ترکیبیں استعمال ہوتی ہیں غض کے معنی ہیں کم کرنا۔ غض بصر کے معنی ہوئے نگاہ کم کرنا۔ قرآن مجید حضرت لقمان کو اپنے فرزند کو نصیحت کے بیان میں ارشاد فرماتا ہے: "اپنی آواز کم کرو یعنی چیخ کر نہ بولو۔" (سورۂ لقمان۔ آیت ۱۹)[۱]

---

[۱] وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ

سورۂ حجرات کی تیسری آیت میں ارشاد ہوتا ہے: جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے بات کرتے ہوتے اپنی آوازیں دھیمی رکھتے ہیں وہ وہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے تقویٰ کے لیے جانچ لیا ہے۔

ہند بن ابی ہالہ کی اس حدیث میں جس میں انھوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف و شمائل کی تعریف کی ہے، یوں وارد ہوا ہے: جب آپ خوش ہوتے تھے تو آپ کی آنکھیں نیم باز ہو جایا کرتی تھیں۔[1] ظاہر ہے کہ اس سے آنکھیں بند کر لینا یا سامنے نہ دیکھنا مراد نہیں ہے۔

علامہ مجلسیؒ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: رسول اللہؐ اپنی پلکیں جھکا لیتے، سر نیچے کر لیتے اور آنکھیں بند کر لیتے تھے۔[2] وہ ایسا اس لیے کرتے تھے کہ خوشی سے بے قابو نہ ہو جائیں۔ عام طور پر جذبات سے مغلوب افراد جب خوشی کے عالم میں ہوتے ہیں تو شائستہ اور باوقار افراد کے برخلاف بے اختیار دیدے پھاڑ کر قہقہہ لگاتے ہیں۔

امام علیؑ نے جنگ جمل میں محمد بن حنفیہ کو ہدایت کی کہ "پہاڑ اپنی جگہ چھوڑ دیں مگر تم اپنی جگہ سے نہ ہٹنا، اپنے دانتوں کو بھینچ لینا، اپنا کاسۂ سر اللہ کو عاریت دیدینا، اپنے قدم زمین پر گاڑ دینا اور اپنی آنکھیں بند کر لینا۔[3] ظاہر ہے کہ یہاں آنکھیں بند کر لینا مراد نہیں ہے بلکہ امام کے کلام کا مقصود یہ ہے کہ تمہاری آنکھیں کسی خاص شے بالخصوص دشمن کے ساز و سامان پر نہ جم جائیں۔

اسی طرح آپ جنگوں میں اپنے اصحاب کو دیے جانے والے عمومی حکم میں فرماتے ہیں: دشمن کے ساز و سامان پر اپنی نگاہیں کم رکھو کہ ایسا کرنے سے تمہارے دل محکم اور آسودہ رہیں گے۔ ہڑبونگ نہ مچاؤ کیونکہ سکون ہر چیز کے خوف کو دور کر دیتا ہے۔

---

[1] وَاِذَا فَرِحَ غَضَّ طَرْفَهٗ۔ تفسیر صافی سورۂ نور کی ۳۱ ویں آیت کے ذیل میں۔ نقل از تفسیر علی بن ابراہیم۔
[2] اَیْ کَسَرَهٗ وَاَطْرَقَ وَلَمْ یَفْتَحْ عَیْنَهٗ وَاِنَّمَا یَفْعَلُ ذٰلِکَ لِیَکُوْنَ اَبْعَدَ مِنَ الْاَشَرِ وَالْمَرَحِ
[3] اِرْمِ بِبَصَرِکَ اَقْصَی الْقَوْمِ وَغُضَّ بَصَرَکَ۔ نہج البلاغہ خطبہ ۱۱ اور وسائل جلد ۲۔ کتاب الجہاد صفحہ ۴۲۹۔

ان تمام موارد سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ غضِ بصر سے مراد کم تر دیکھنا، نگاہیں نہ جمانا، ان دیکھا خیال کرنا اور مستقل نگاہوں میں نہ رکھنا ہے۔

سورۂ نور کی اس آیت کے ذیل میں صاحب تفسیر مجمع البیان نے لکھا ہے کہ بنیادی طور پر غض کا مفہوم کاہش اور کمی ہے[1] یُقَالَ غَضَّ مِنْ صَوْتِهٖ وَمِنْ بَصَرِهٖ اَیْ نَقَصَ کا مطلب ہے کہ مادہ غض کو صوت یا بصر سے نسبت دی جائے تو اس سے کمی کا مفہوم پیدا ہوگا۔ سورۂ حجرات کی تفسیر میں صاحب مجمع لکھتے ہیں: غضِ بصر کا مفہوم نگاہ کی تیزی کو کم کرنا ہے۔ راغب اصفہانی نے مفردات القرآن میں اس جملہ کو ہو بہو اسی مفہوم میں استعمال کیا ہے۔

لہٰذا زیر بحث آیت میں یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ کا مفہوم کمتر دیکھنا اور نظریں نہ جمانا ہے۔ علمائے اصول کی اصطلاح میں ان کی نظریں عمومیت ہو، خصوصیت نہ ہو۔

زیادہ وضاحت سے یوں کہوں کہ کبھی انسانی نگاہ کسی شخص کے سراپا کو جانچنے کے لیے ہوتی ہے۔ اس وقت وہ پوری توجہ سے اس کے لباس، اس کے سنگھار اور اس کے محاسن کا بھرپور جائزہ لیتا ہے لیکن کبھی وہ سامنے کھڑے ہوئے شخص کو صرف اس لیے دیکھتا ہے کہ اس سے بات کر رہا ہوتا ہے اور چونکہ گفتگو کا لازمہ دیکھنا ہے اس لیے آنکھیں اسے دیکھتی ہیں۔ اس طرح کی نگاہ کو آلی کہا جاتا ہے، جبکہ پہلی نوعیت کی نگاہ استقلالی ہے۔ پس مذکورہ آیت کے اس جملے کا مفہوم یہ ہے کہ مومن مردوں سے کہہ دو کہ وہ عورتوں کو نہ گھوریں اور ہر طرف انہیں دیکھنے کی ٹوہ میں نہ رہیں۔

یہاں اس نکتے کا ذکر بھی ضروری ہے کہ بعض مفسرین جنہوں نے غضِ بصر کو ترکِ نظر کے مفہوم میں لیا ہے اس بات کے مدعی ہیں کہ ترکِ نظر سے مراد شرمگاہ کو نہ دیکھنا ہے اور جیسا کہ فقہا نے کہا ہے، اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ غضِ بصر سے مراد بالکل ترکِ نظر ہے، عام اس سے کہ دیکھنے کا مقصد دیکھنا اور آنکھیں سینکنا ہو یا اس قسم کا دیکھنا ہو جیسا کہ گفتگو کرتے وقت ناگزیر ہوتا ہے یہ بات اپنی جگہ رہ جاتی ہے کہ آیت میں غضِ بصر کے متعلق کا ذکر نہیں یعنی یہ تصریح نہیں کہ کس چیز کو دیکھنے کی ممانعت ہے۔

---

[1] آیت اللہ حکیم، مستمسک عروۃ جلد ۵ صفحہ ۱۹۱

لیکن جیسا کہ ہم نے استنباط کیا ہے کہ اگر غض بصر سے مراد جم کر نہ دیکھنا ہو یعنی ایسی نگاہ سے اس کا تعلق ہو جو لازمۃً تخاطب ہو اور مقصد یہ ہو کہ گھور گھور کر آنکھیں نہ سینکی جائیں تو قطعاً اس کا تعلق چہرے کے غض بصر سے ہے اور بس کیونکہ چہرے سے ہٹ کر دوسرے مقامات پر (جس میں غالباً کلائیوں تک دونوں ہاتھ بھی شامل ہیں) غض بصر کے ساتھ نگاہ ڈالنا بھی جائز نہیں ہے۔

شرمگاہ کی حفاظت

بعد کے جملے میں ارشاد ہوتا ہے: وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ یعنی مومنین سے کہہ دیجیے کہ وہ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ ممکن ہے اس سے مراد پاکدامن رہنا ہو۔ یعنی وہ اپنے آپ کو زنا اور دوسری بے حیائیوں سے بچائیں۔

لیکن اسلام کے دور اوّل کے مفسرین کا نظریہ نیز اخبار و احادیث کا خلاصہ یہ ہے کہ سوائے ان دو آیتوں کے جہاں کہیں قرآن مجید میں شرمگاہ کی حفاظت کا ذکر آیا ہے اس سے مراد زنا سے بچنا ہے۔ صرف مذکورہ دو آیتیں ہی ایسی ہیں جن میں حفاظت بہ اعتبار نظر استعمال ہوا ہے اور مراد شرمگاہ کو چھپانے کا وجوب ہے۔

زمانۂ جاہلیت میں عربوں کے ہاں شرمگاہ کو چھپانے کا رواج نہیں تھا۔ اسلام نے اسے واجب قرار دیا۔ آج بھی بعض متمدن مغربی ممالک عریانی کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں اس اعتبار سے دنیا کو پھر دورِ جاہلیت میں داخل کیا جا رہا ہے۔

رسل نے اپنی کتاب متعلق بہ تربیت میں جس چیز کو غیر منطقی روش کہا ہے وہ یہی شرمگاہ کو چھپانے کا مسئلہ ہے۔ وہ کہتا ہے آخر ماں باپ کو اپنے بچوں سے اپنی شرمگاہیں چھپانے پر اصرار کیوں ہے؟ یہ اصرار بچے کی حسِ جستجو کو ابھارتا ہے۔ اگر والدین اپنی شرمگاہوں کو بچوں سے پوشیدہ رکھنے کی کوشش نہ کریں تو اس طرح کا جھوٹا تجسس پیدا نہیں ہو گا۔ والدین کو چاہیے کہ وہ اپنی شرمگاہیں اپنے بچوں کو دکھائیں تاکہ کوئی بات ڈھکی چھپی نہ رہے اور بچے پہلے ہی ہر شے سے آگاہی حاصل کریں۔

رسّل ستر عورت کو تابو سمجھتا ہے جو عمرانی علوم کا ایک موضوع ہے۔ تابو[1] سے مراد وہ قابل رحم اور غیر منطقی مذہبی بندا بندی ہے جو وحشی قوموں میں پائی جاتی ہے۔ رسّل جیسے افراد کے نظریے کے مطابق آج کی متمدن دنیا میں رواج پانے والے تمام اخلاق پورے طور پر تابو سے مماثل ہیں۔

یہ عجیب بات ہے کہ انسان تمدن کے نام پر جاہلیت کی طرف رجعت قہقری کا خواہشمند ہے۔ قرآن کریم میں اَلْجَاھِلِیَّۃُ الْاُوْلٰی کا جملہ وارد ہوا ہے۔ شاید اس میں یہی بتانا مقصود ہو کہ قدیم جاہلیت پہلی جاہلیت تھی۔ بعض روایات میں اَیْ سَتَکُوْنَ جَاھِلِیَّۃٌ اُخْرٰی آیا ہے۔ گویا آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جلد ہی ایک دوسری جاہلیت ظاہر ہوگی۔

قرآن مجید ستر عورت کے حکم کے بعد فرماتا ہے: ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ یعنی یہ ان کے لیے زیادہ پاکیزہ ہے۔ شرمگاہ کا چھپانا ایک طرح سے روح کی پاکیزگی کا موجب ہے اور اس سے بہتر ہے کہ انسان ہمیشہ نچلے اعضاء کے بارے میں سوچتا رہے۔

اس جملے کے ساتھ قرآن مجید چاہتا ہے کہ اس عمل کے فلسفے اور منطق کو بیان کرے اور قدیم وجدید جاہلیت کے پرستاروں کو جواب دے کہ وہ ان پابندیوں اور بندشوں کو غیر منطقی اور تابو نہ کہیں بلکہ ان کی تاثیر اور منطق پر توجہ دیں۔ اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے: اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا یَصْنَعُوْنَ یعنی جو کچھ وہ کرتے ہیں خدا اسے خوب جانتا ہے۔

اس سلسلے میں تاریخ میں رسول اکرمؐ کا ایک واقعہ ملتا ہے۔ رسول اکرمؐ فرماتے ہیں کہ "جب میں چھوٹا تھا تو میرے ساتھ کچھ مرتبہ ایسا ہوا کہ مجھے اپنے اندر ایک غیبی طاقت اور اپنے اوپر مامور ایک نگہبان کا احساس ہوا جو مجھے بعض کاموں کے ارتکاب سے روک دیتا ہے۔ ان دنوں جب میں بچہ تھا اور بچوں کے ساتھ کھیلا کرتا تھا ایک قریشی کا مکان بن رہا تھا۔ بچے کھیل ہی کھیل میں جیسا کہ انکی عادت ہوتی ہے پتھر وغیرہ اپنی جھولیوں میں بھر کر لاتے اور اس جگہ جہاں مکان بن رہا تھا گراتے جاتے تھے۔ عربوں کے رواج کے مطابق یہ بچے لمبی قمیص پہنتے تھے جس کے نیچے زیر جامہ نہیں ہوتا تھا۔ لہٰذا جب وہ پتھر لینے کے لیے اپنی قمیص کے دامن کو اونچا کرتے تھے تو ان کی شرمگاہ نظر آنے لگتی تھی۔ میں نے بھی جب بچوں کے ہمراہ پتھر اٹھانے کے لیے دامن کو بلند کرنا چاہا تو کسی نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور میرا دامن گرا دیا۔

---

[1] TABOO

میں نے ایک بار پھر چاہا کہ دامن اونچا کروں اور پتھر بھروں مگر پھر یونہی ہوا۔ تب میں سمجھ گیا کہ مجھے یہ کام نہیں کرنا چاہیے" (شرح نہج البلاغہ۔ ابن ابی الحدید خطبہ ۱۹۰)

بعد کی آیت میں ارشاد ہوتا ہے: وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ یہ بالکل وہی پہلے بیان کیے جانے والے فریضے ہیں (ترک نظر اور پاکدامنی)، جو پہلے مردوں کے لیے بیان ہو چکے ہیں۔ اس آیت میں یہی فریضے عورتوں کے لیے بھی انہی الفاظ کے ساتھ واجب قرار پائے ہیں۔

اس سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ اس قسم کے احکامات نوع بشر کی بہتری کے لیے آئے ہیں۔ عورت ہو یا مرد، اسلامی قوانین کسی امتیاز کی بنا پر یا مرد و زن کے اختلاف کی بنیاد پر استوار نہیں ہوئے ہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو تمام واجبات عورت کے لیے ہوتے اور مرد ان سے بری الذمہ ہوتے۔

اگر یہ بات دیکھنے میں آتی ہے کہ پردہ صرف عورت کے لیے مخصوص ہے تو اس کا سبب یہ ہے کہ اس کا اطلاق عورت ہی پر ہوتا ہے۔ ہم پہلے بھی کہہ چکے ہیں کہ عورت حسن کا اور مرد عشق کا مظہر ہے۔ چنانچہ لازماً عورت ہی سے کہا جائے گا کہ وہ اپنی نمائش نہ کرے۔ عام طور پر مرد عورت سے زیادہ معقول لباس کے ساتھ گھر سے نکلتا ہے کیونکہ اسے خود نمائی کا نہیں نظر بازی کا شوق ہوتا ہے۔ مرد کی یہ نظر بازی عورت کو خود نمائی کی طرف راغب کرتی ہے اور عورت میں یہ بات نہیں پائی جاتی، اس لیے مرد میں خود نمائی کا جذبہ بھی بہت کم پایا جاتا ہے۔

زینت

اس کے بعد والی آیت میں ارشاد ہوتا ہے: وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا۔ عربی میں زینت کا لفظ اردو فارسی کے لفظ زیور سے زیادہ وسیع ہے۔ اس لیے کہ زیور اس زینت کو کہا جاتا ہے جو بدن سے علیحدہ رہتا ہے، سونے چاندی اور جواہرات کے ہار وغیرہ لیکن لفظ زینت زیور کے علاوہ آرائش جسم کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے، جیسے سرمہ اور مہندی وغیرہ۔

اس حکم میں کہا گیا ہے کہ عورت کو اپنی آرائش (زینت) کی نمائش نہیں کرنی چاہیے لیکن اس فریضے کے لیے دو استثناؤں کا ذکر ہوا ہے۔ ہم ان دونوں پر تفصیل سے گفتگو کرتے ہیں:

پہلا استثناء

الا ما ظھر منھا یعنی سوائے ان زینتوں کے جو خود آشکار ہیں۔ اس عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کی زینت دو قسم کی ہے۔ ایک آشکار اور دوسری مخفی۔ مگر یہ کہ عورت اسے قصداً ظاہر کرنا چاہے۔ پہلی قسم کی زینت کا چھپانا واجب نہیں لیکن دوسری قسم کی زینت کا چھپانا واجب ہے۔ یہاں یہ مشکل درپیش ہے کہ آشکار زینت کونسی ہے اور مخفی کونسی؟

اس استثنا کے بارے میں بہت پہلے ہی صحابہ، تابعین اور ائمہ اہلبیت علیہم السلام سے سوال کیا گیا اور اس کا جواب بھی دیا گیا تفسیر مجمع البیان میں اس استثنار کے بارے میں تین اقوال آئے ہیں:

پہلا قول یہ ہے کہ آشکار زینت سے مراد لباس ہے۔ جھانجھر، پائل، بندے اور چوڑی کنگن کو مخفی زینت کہا گیا ہے اور یہ قول ابن مسعود سے نقل ہوا ہے جو معروف صحابی ہیں۔

دوسرا قول یہ ہے کہ آشکار زینتوں سے مراد سرمہ، انگوٹھی اور ہاتھوں کی مہندی ہے یعنی وہ سنگھار جو چہرے اور کلائی تک ہاتھوں سے متعلق ہے اور یہ ابن عباس کا قول ہے جو مشہور صحابی ہیں۔

تیسرا قول یہ ہے کہ آشکار زینت سے مراد خود چہرہ اور کلائیوں تک دونوں ہاتھ ہیں اور یہ قول ضحاک اور عطا کا ہے۔ تفسیر صافی میں اس جملے سے متعلق ائمہ اہلبیت علیہم السلام سے کچھ روایتیں نقل ہوئی ہیں جنھیں ہم بعد میں نقل کرینگے۔ تفسیر کشاف میں آیا ہے کہ زینت عبارت ہے ان چیزوں سے جن سے عورت اپنے آپ کو آراستہ کرتی ہے۔ جیسے سونے کے زیورات، سرمہ اور مہندی۔ چھلا یا انگوٹھی جیسی زینتوں کے ظاہر ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں لیکن کنگن، پائل، بازو بند، گلوبند، کمربند، جھومر اور بالیوں جیسی مخفی زینتوں کو آشکار نہیں ہونا چاہیے مگر ان لوگوں کے سامنے جنہیں آیت نے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ صاحب کشاف کہتے ہیں: آیت میں مخفی زینتوں کو چھپانے کی بات کی گئی ہے نہ کہ بدن میں ان کے مقامات کی۔ بازو، پنڈلی، پاؤں، گردن، سر، سینہ اور کان جیسے بدن کے حصوں کو چھپانے کی شدید تاکید کی گئی ہے۔

اس کے بعد صاحب کشاف عورتوں کے مصنوعی بالوں پر گفتگو کرتے ہیں اور پھر ظاہری زینت کے مقامات سے متعلق ایک دوسری بحث کرتے ہیں کہ سرمہ، مہندی، سرخی پوڈر اور انگوٹھی جیسی ظاہری زینتوں اور چہرے اور ہاتھوں کے استثنا کا فلسفہ کیا ہے؟

پھر وہ اس کا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں: اس کا فلسفہ یہ ہے کہ عورت کے لیے ان کا چھپانا بہت دشوار ہے۔ اس کے لیے بجز اس کے اور کوئی چارہ نہیں کہ وہ اپنے دونوں ہاتھوں سے اشیاء کو اٹھائے اور اپنا چہرہ کھلا رکھے۔ خاص طور پر جہاں اسے مقدموں میں گواہی دینی ہو یا شادی بیاہ کے موقع پر گلی کوچوں سے گزرنا ہوتا ہے چلتے ہیں خواہ مخواہ اس کے پیر دکھائی دے جاتے ہیں۔ خاص طور پر ان غریب عورتوں کے پاؤں اور پنڈلیاں نہیں چھپ سکتیں کہ جن کے پاس موزے اور کبھی کبھی جوتے تک نہیں ہوتے یہ ہے اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا کا مفہوم اور حقیقتاً اس کے معنی یہ ہیں "مگر وہ جو عادتاً اور طبعاً ظاہر ہو جاتے ہیں"

اس کے بعد صاحب کشاف دوسرے استثناء یعنی محارم کے فلسفے کی طرف آتے ہیں اور پھر ان آیتوں کے نزول سے قبل عورتوں کی کیفیت کو نقل کرتے ہیں کہ ان کے گریبان چوڑے ہوتے تھے۔ ان کی گردن، سینہ اور اطراف کا حصہ دکھائی دیتا تھا۔ وہ دوپٹے سر کے پیچھے اس طرح ڈالتی تھیں کہ اس سے گردن، کان اور سینہ نہیں چھپتے تھے۔

فخر الدین رازی تفسیر کبیر میں اس بحث کے بعد کہ کیا زینت صرف مصنوعی زیبائش کو کہا جاتا ہے یا فطری زیبائش بھی اس میں شامل ہے خود ہی دوسری رائے کو ترجیح دیتے ہوئے کہتے ہیں: قفال کی طرح فطری زیبائی مراد لینے والوں کا خیال ہے کہ آشکار زینت سے مراد عورتوں میں چہرہ اور کلائی تک دونوں ہاتھ اور مردوں میں چہرہ دونوں ہاتھ اور دونوں پیر ہیں۔ قفال کے خیال میں چونکہ معاشرتی ضرورت اس بات کی متقاضی ہے کہ چہرہ اور کلائی تک دونوں ہاتھ کھلے رہیں اور شریعت اسلام ایک سہل اور آسان شریعت ہے اس لیے چہرہ اور کلائی تک دونوں ہاتھوں کا چھپانا واجب قرار نہیں دیا گیا...... لیکن وہ لوگ جنہوں نے زینت کو مصنوعی آرائش پر محمول کیا ہے ان کا خیال ہے کہ ظاہری زینت سے مراد چہرے اور ہاتھوں کا سنگھار ہے اور اس استثناء کا سبب یہ ہے کہ ان کا چھپانا عورت کے لیے دشوار ہوتا ہے۔ اس کو کسی شے کو اٹھانے کے لیے ہاتھوں کا استعمال کرنا ہی پڑتا ہے۔ نیز مقدموں میں گواہی اور شادی کے موقعوں پر بھی اس کے لیے چہرہ کھولنا ناگزیر ہوتا ہے۔

اس استثناء کے بارے میں ائمہ اہلبیت علیہم السلام سے بہت زیادہ پوچھا گیا ہے اور

انھوں نے اس کا جواب بھی دیا ہے۔ چنانچہ ہم کتب حدیث سے چند روایتیں نقل کرتے ہیں غالباً تفسیر صافی میں بھی ان دونوں روایتوں کو نقل کیا گیا ہے اور ان میں بظاہر کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا۔

۱۔ عَنْ زُرَارَةَ عَنْ اَبِیْ عَبْدِاللّٰهِ عَلَیْهِ السَّلَامُ فِیْ قَوْلِهٖ تَعَالٰی: "اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا" قَالَ اَلزِّیْنَةُ الظَّاهِرَةُ: اَلْکُحْلُ وَالْخَاتَمُ"

زرارہ بیان کرتے ہیں کہ امام صادقؑ سے پوچھا گیا کہ وہ آشکار زینت جس کا عورت کے لیے چھپانا واجب نہیں کیا ہے تو امام علیہ السلام نے فرمایا: "وہ سرمہ اور انگوٹھی ہے۔" (کافی جلد ۵ صفحہ ۵۲۱ اور وسائل جلد ۳ صفحہ ۲۵)۔

۲۔ عَنْ عَلِیِّ بْنِ اِبْرَاهِیْمَ الْقُمِّیِّ عَنْ اَبِیْ جَعْفَرٍ عَلَیْهِ السَّلَامُ فِیْ هٰذِهِ الْاٰیَةِ، قَالَ: هِیَ الثِّیَابُ وَالْکُحْلُ وَالْخَاتَمُ وَخِضَابُ الْکَفِّ وَالسِّوَارِ وَالزِّیْنَةُ ثَلٰثٌ: زِیْنَةٌ لِلنَّاسِ وَزِیْنَةٌ لِلْمَحْرَمِ وَزِیْنَةٌ لِلزَّوْجِ، فَاَمَّا زِیْنَةُ النَّاسِ فَقَدْ ذَکَرْنَاهَا وَاَمَّا زِیْنَةُ الْمَحْرَمِ فَمَوْضِعُ الْقِلَادَةِ فَمَا فَوْقَهَا وَالدُّمْلُجِ وَمَا دُوْنَهٗ وَالْخَلْخَالِ وَمَا اَسْفَلَ مِنْهُ، وَاَمَّا زِیْنَةُ الزَّوْجِ فَالْجَسَدُ کُلُّهٗ"۔

امام باقر علیہ السلام نے فرمایا: ظاہری زینت میں لباس، سرمہ، انگوٹھی، مہندی اور چوڑیاں شامل ہیں۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا زینت کی تین قسمیں ہیں: ایک تمام لوگوں کے لیے ہے جو ابھی ہم نے بیان کی۔ دوسری محرموں کے لیے ہے اور وہ گلوبند سے اوپر اور بازوبند اور پازیب سے نیچے کی جگہ ہے۔ تیسری زینت کا تعلق شوہر سے ہے اور وہ عورت کا پورا بدن ہے۔ (تفسیر صافی۔ سورۂ نور، آیت ۳۱ کے ذیل میں۔ نقل از تفسیر علی بن ابراہیم قمی)۔

۳۔ اَبِیْ بَصِیْرٍ عَنْ اَبِیْ عَبْدِاللّٰهِ عَلَیْهِ السَّلَامُ قَالَ سَئَلْتُهٗ عَنْ قَوْلِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ: "وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا قَالَ اَلْخَاتَمُ وَالْمَسَکَةُ وَهِیَ الْقُلْبُ"۔

ابو بصیر کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ الاما ظہر منہا کی تفسیر کیا ہے تو آپ نے فرمایا: "انگوٹھی اور کنگن" [۱]

۴۔ عَنْ بَعْضِ اَصْحَابِنَا عَنْ اَبِیْ عَبْدِاللّٰہِ عَلَیْہِ السَّلَامُ قَالَ قَالَتْ لَہٗ مَا یَحِلُّ لِلرِّجَالِ مِنَ الْمَرْئَۃِ اَنْ یَّرٰی اِذَا لَمْ یَکُنْ مَحْرَمًا قَالَ اَلْوَجْہُ وَالْکَفَّانِ وَالْقَدَمَانِ۔

راوی جو ایک شیعہ ہے کہتا ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ مرد محرم نہ ہونے کی صورت میں عورت کے جسم کے کس حصے کو دیکھ سکتا ہے؟

آپ نے فرمایا: چہرہ، کلائی تک دونوں ہاتھ اور ٹخنوں تک دونوں پاؤں۔ [۲]

یہ روایت عورت کے چہرے اور ہتھیلیوں پر نظر ڈالنے کے جواز سے متعلق ہے۔ نہ ان کے چھپائے جانے کے عدم وجوب سے، اور یہ دونوں ایک دوسرے سے الگ مسئلے ہیں لیکن ہم بعد میں عرض کریں گے کہ اشکال زیادہ تر جواز نظر میں ہے نہ پوشیدگی کے عدم وجوب میں۔ اگر نظر ڈالنا جائز ہو تو بطریق اولیٰ چھپانا واجب نہیں۔ تاہم اس کے بارے میں آگے چل کر گفتگو کریں گے۔

۵۔ خلیفۂ اوّل حضرت ابو بکر کی بیٹی اسماء جو ام المومنین عائشہ کی بہن تھیں، ایسا لباس پہن کر رسول خداؐ کے گھر آئیں کہ جس سے اُن کا جسم جھلکتا تھا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا چہرہ مبارک اُن کی طرف سے پھیر لیا اور فرمایا:

"یَا اَسْمَاءُ اِنَّ الْمَرْاَۃَ اِذَا بَلَغَتِ الْمَحِیْضَ لَمْ تَصْلَحْ اَنْ یُّرٰی مِنْہَا اِلَّا ھٰذَا وَ ھٰذَا۔ وَاَشَارَ اِلٰی کَفِّہٖ وَ وَجْہِہٖ۔

اے اسماء! عورت جوان ہو جائے تو اس کے لیے جائز نہیں ہے کہ اس کے بدن کا کوئی حصہ دکھائی دے۔ مگر یہ اور یہ ـــ یہ کہہ کر آپ نے اپنے چہرے اور کلائی سے نیچے دونوں ہاتھوں کی طرف اشارہ کیا۔ (سنن ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۳۸۳)۔

یہ روایات ابن عباس، ضحاک اور عطا کے نظریے سے مطابقت رکھتی ہیں نہ کہ ابن مسعود

---

[۱] اور [۲] کافی جلد ۵ صفحہ ۵۲۱ اور وسائل جلد ۲ صفحہ ۲۵

کے نظریے سے جو یہ کہتے ہیں کہ زینت سے مراد ظاہری لباس ہے۔

بنیادی طور پر ابن مسعود کی رائے کو درست قرار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ خود بخود آشکار ہونیوالا لباس وہ ہے جو اوپر پہنا جاتا ہے۔ نیچے پہنا جانے والا لباس ظاہر ہے دیکھا نہیں جاتا۔ اس صورت میں اس کا کوئی مفہوم نہیں نکلتا کہ عورتیں اپنی زینتوں کو آشکار نہ کریں مگر وہ لباس جو اوپر پہنا جاتا ہے۔ اوپر پہنا جانے والا لباس قابل اخفا نہیں ہے جسے استثنا کیا جائے لیکن اس کے برعکس وہ تمام چیزیں جو ابن عباس، ضحاک اور عطا کے جملوں نیز شیعی روایتوں میں پائی جاتی ہیں وہ زینتیں ہیں جن کو چھپایا بھی جا سکتا ہے اور نہیں بھی چھپایا جا سکتا۔

بہرحال یہ روایتیں ہمیں بتاتی ہیں کہ عورت کے لیے چہرہ اور کلائیوں تک ہاتھوں کا چھپانا واجب نہیں اور ان حصوں پر سرمہ اور مہندی اور ان آرائشوں کے دکھائی دینے میں بھی کوئی اشکال نہیں جو عورت کی خصوصیات میں سے ہیں۔

یہاں یہ عرض کر دوں کہ میں نے اس مسئلے کو اپنی نظر سے بیان کیا ہے۔ البتہ ہر شخص پر واجب ہے کہ وہ اپنے مرجع تقلید کے فتوے پر عمل کرے۔ میں نے جو کچھ عرض کیا ہے وہ بعض مراجع تقلید کے فتوے کے مطابق ہے۔ مگر ممکن ہے بعض مراجع کے فتوے اس سے ہم آہنگ نہ ہوں (اگرچہ اس کی مخالفت پر مبنی کوئی فتویٰ موجود نہیں ہے، جو کچھ ہے وہ بطور صریح نہیں بطور احتیاط ہے) اس گفتگو سے میرا مقصد یہ ہے کہ آپ اساس اسلام کے نزدیک ہو کر واقفیت حاصل کریں۔

ہم سب جانتے ہیں کہ آج معاشرے کا ایک بڑا حصہ جو اپنے آپ کو روشن فکر کہتا ہے اسلام کو خاص طور پر عورتوں سے متعلق مسائل کو منفی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ وہ نہیں جانتا کہ اسلام کیا کہتا ہے۔ وہ اسلام کے اجتماعی فلسفے سے آگاہ نہیں اس لیے اس کی منفی سوچ سو فیصد بے بنیاد ہے۔ ایسے لوگ نہ صرف یہ کہ اپنی خواہشات کی پیروی میں عملاً پردے اور پاکدامنی کے قائل نہیں بلکہ وہ اسلامی حجاب سے آشنا نہ ہونے کے سبب اسے خرافات سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ حکم نوع بشر کی بدبختی کا سبب ہے اور یہی فکر اسلام سے ان کی دوری بلکہ بے تعلقی کا سبب بنی ہے۔

اگر بات صرف عمل نہ کرنے اور شہوات کی پیروی کی ہوتی تو بھی کوئی بڑی بات نہ تھی مگر یہاں تو انکار اسلام اور بے اعتقادی کا مسئلہ ہے۔ لہٰذا آپ کو چاہیے کہ اسلام کے معاشرتی فلسفے کا مطالعہ

کریں تاکہ ایسے اشخاص سے ٹکراؤ میں آپ انھیں جواب دے سکیں۔

ظاہر ہے کہ صرف توضیح المسائل جیسے رسالۂ عملیہ کا پڑھنا اور فتووں سے آگاہی حاصل کرنا ہی کافی نہیں بلکہ اس منزل پر باعتبار نقل اور معاشرتی فلسفے کے پہلو سے بھی ایک استدلالی بحث کی ضرورت ہے اور اسی وجہ سے ہم پر لازم ہو گیا ہے کہ اس موضوع پر دلائل و اسناد کے ساتھ استدلالی بحث کریں۔

لیکن اس بارے میں کہ عورت اپنے محرموں کے سامنے کس حد تک پردہ نہ کرنے کا حق رکھتی ہے، مختلف روایات اور فتوے ہیں۔ ان روایتوں اور بعض فقہا کے فتووں سے یہ استنباط ہوتا ہے کہ ماسوائے شوہر کے دیگر محرموں کے سامنے ناف سے زانو تک کا پردہ کرنا ضروری ہے۔

پردے کی کیفیت

اس استثناء کے بعد وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ کا جملہ آیا ہے یعنی انہیں چاہیے کہ وہ اپنے دوپٹوں کو اپنے سینوں اور گریبانوں پر ڈالے رہیں۔ البتہ دوپٹہ کی کوئی خصوصیت نہیں ہے۔ مقصد سر، گردن اور گریبان کا ڈھانپنا ہے، جسے ہم پہلے بھی تفسیر کشاف کے حوالے سے نقل کر چکے ہیں۔ عرب عورتیں عام طور پر ایسے کرتے پہنا کرتی تھیں جن کے گریبان کھلے ہوا کرتے تھے جن میں سے ان کی گردن اور سینہ نمایاں ہوتا تھا۔ جو کپڑا وہ دوپٹے کے طور پر اوڑھتی تھیں وہ بھی سر کے پیچھے سے کاندھوں پر اس طرح ڈالا جاتا تھا کہ اس سے کان، سینہ اور گردن سب کے سب نمایاں رہتے تھے۔ یہ آیت حکم دیتی ہے کہ وہ سر پر اوڑھے ہوئے اسی دوپٹے کے دونوں لٹکے ہوئے حصوں کو اپنے سینے اور گریبان پر اس طرح ڈال لیں کہ بدن کے مذکورہ حصے اچھی طرح چھپ جائیں۔ ابن عباس نے اپنی تفسیر میں تُغَطِّي شَعْرَهَا وَصَدْرَهَا وَتَرَائِبَهَا وَسَوَالِفَهَا کا جملہ استعمال کیا ہے جس کا مطلب ہے کہ عورت اپنے بال، سینہ، گردن اور اطراف گردن کو ڈھانپے۔ یہ آیت بدن کے ان حصوں کی وضاحت کرتی ہے جنہیں ڈھانپنا چاہیے۔ اس آیت کے ذیل میں شیعہ، سُنّی دونوں نے روایت کی ہے کہ:

"ایک دن مدینہ کے گرم موسم میں ایک خوبصورت نوجوان عورت ایک گلی

سے گزر رہی تھی۔ اس کا دوپٹہ وہاں کے معمول کے مطابق گردن کے پیچھے پڑا ہوا تھا۔ ایک صحابیٔ رسول سامنے سے آرہے تھے۔ اس خوبصورت منظر نے ان کا دل موہ لیا اور وہ اسے دیکھنے میں ایسے محو ہو گئے کہ انہیں نہ اپنی خبر رہی نہ ماحول کی۔ وہ بڑی دیر تک نگاہوں سے اس کا تعاقب کرتے رہے اور پھر اسی فکر میں بس غلطاں آگے بڑھ گئے۔ اس بے خیالی میں اچانک دیوار سے باہر نکلی ہوئی کسی ہڈی یا شیشے سے ان کا چہرہ زخمی ہو گیا۔ جب وہ اپنے آپ میں آئے تو ان کے چہرے سے خون بہہ رہا تھا۔ وہ اسی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچے اور سارا ماجرا کہہ سنایا۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی:

قُلْ لِلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ .... الخ [۱]

اس آیت میں علیٰ کے ساتھ ضرب کی لغوی ترکیب کسی چیز کو دوسری چیز پر اس طرح رکھ دینے کے مفہوم کو پیش کرتی ہے کہ وہ شے دوسری شے کے لیے رکاوٹ بن جائے۔

(ب) صاحب تفسیر کشاف کہتے ہیں: ضَرَبَتْ بِخِمَارِهَا عَلٰی جَیْبِهَا کَقَوْلِكَ ضَرَبْتُ بِیَدِیْ عَلَی الْحَائِطِ اِذَا وَضَعْتَهَا عَلَیْهِ یعنی یہ تعبیر ایسی ہے جیسے ہم کہیں کہ ہم نے اپنا ہاتھ دیوار پر رکھا۔ تفسیر کشاف ہی میں فَضَرَبْنَا عَلٰۤی اٰذَانِهِمْ [۲] کے ذیل میں لکھا ہے:

---

[۱] کافی جلد ۵ صفحہ ۵۲۱۔ وسائل جلد ۳ صفحہ ۲۴۔ تفسیر صافی اور تفسیر در منثور جلد ۵ صفحہ ۴۰۔

یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ کان، سینہ اور اطراف گردن کھول کر چلنے والی خاتون اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی کی شہوت آلود نگاہوں سے متعلق اس حدیث کو عام طور پر محدثین اور مفسرین نے "قُلْ لِلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا... الخ" کے شان نزول کے باب میں لکھا ہے اور ایسا لگتا ہے کہ یہ آیت "قُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ" سے کوئی سروکار نہیں رکھتی۔ حالانکہ یہ دونوں آیتیں ایک ساتھ نازل ہوئی ہیں اور جس طرح پہلی آیت مرد کی نگاہوں سے متعلق فریضے کو ظاہر کرتی ہے اسی طرح دوسری آیت "وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ .... الخ" عورتوں کے فریضے کو بیان کرتی ہے۔ بظاہر یہی سبب ہے کہ تفسیر صافی میں اس حدیث کو دوسری آیت کے ذیل میں نقل کیا گیا ہے اور یہاں اس حدیث سے متعلق ہمارے استدلال کی بنیاد بھی یہی ہے۔ (مؤلف)

[۲] سورۂ کہف۔ آیت ۱۱

اَیْ ضَرَبْنَا عَلَیْهَا حِجَابًا مِّنْ اَنْ تَسْمَعَ یعنی انکے کانوں پر ہم نے ایک پردہ ڈال دیا ہے تاکہ وہ سن نہ سکیں۔

موضوع بحث آیت کے سلسلے میں صاحب تفسیر مجمع البیان نے لکھا ہے: عورتوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے سر کی چادر کو اپنے سینوں پر اس طرح ڈال دیں کہ ان کے گردن کے اطراف کا حصہ ڈھکا رہے۔ ہم یہ کہہ چکے ہیں کہ اس دور کی عورتیں دوپٹہ سر کے پیچھے کی طرف ڈالا کرتی تھیں۔ لفظ جُیُوْب جو گریبان کے مفہوم میں ہے سینوں کی طرف کنایہ ہے کیونکہ گریبان ہی سینوں کو ڈھانکتا ہے اور یہ اس لیے کہا گیا ہے کہ عورتیں اپنے بالوں، جھمکوں اور گردنوں کو چھپائے رہیں۔ ابن عباس اس آیت کے ذیل میں کہتے ہیں: عورت کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے بال، سینے اور گردن کے نچلے حصے کو چھپا کر رکھے۔

تفسیر صافی میں بھی وَلْیَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰی جُیُوْبِهِنَّ کے جملے کے بعد لکھا ہے: "اس لیے کہ گردنیں ڈھکی رہیں۔

بہر حال مراد یہ ہے کہ یہ آیت بڑی وضاحت کے ساتھ عورت کے پردے کے واجبی حدود کو ظاہر کرتی ہے۔ شیعہ سنی، خاص طور پر شیعہ تفسیریں اور روایتیں مکمل طور پر موضوع کو واضح کرتی ہیں اور آیت کے مفہوم میں کوئی ابہام باقی نہیں رہتا۔

دوسرا استثناء

وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ .... الخ یعنی اپنی زینتوں کو ظاہر نہ کرو مگر اپنے شوہروں اور .... کے لیے۔

پہلے استثناء نے اس زینت کو معین کیا جس کا عام افراد پہ ظاہر کرنا جائز ہے لیکن دوسرے استثناء نے چند افراد کو معین کیا جن پر زینتوں کا ظاہر کرنا جائز ہے۔ پہلے استثناء میں اس کا دائرہ باعتبار بدن محدود اور باعتبار افراد وسیع ہے اور دوسرا استثناء اس کے برعکس ہے۔ آیت میں آنے والے بیشتر افراد وہی ہیں جنہیں فقہی اصطلاح میں محرم کہا جاتا ہے اور وہ اس طرح ہیں:

۱۔ لِبُعُوۡلَتِهِنَّ	اپنے شوہروں
۲۔ اَوۡ اٰبَآئِهِنَّ	اپنے باپوں
۳۔ اَوۡ اٰبَآءِ بُعُوۡلَتِهِنَّ	اپنے خسروں
۴۔ اَوۡ اَبۡنَآئِهِنَّ	اپنے بیٹوں
۵۔ اَوۡ اَبۡنَآءِ بُعُوۡلَتِهِنَّ	اپنے شوہروں کے بیٹوں
۶۔ اَوۡ اِخۡوَانِهِنَّ	اپنے بھائیوں
۷۔ اَوۡ بَنِیۡۤ اِخۡوَانِهِنَّ	اپنے بھتیجوں
۸۔ اَوۡ بَنِیۡۤ اَخَوٰتِهِنَّ	اپنے بھانجوں
۹۔ اَوۡ نِسَآئِهِنَّ	اپنی عورتوں
۱۰۔ اَوۡ مَا مَلَكَتۡ اَيۡمَانُهُنَّ	اپنی لونڈی غلاموں
۱۱۔ اَوِ التّٰبِعِيۡنَ غَيۡرِ اُولِى الۡاِرۡبَةِ	وہ مرد جنہیں عورتوں کی حاجت نہیں
۱۲۔ اَوِ الطِّفۡلِ الَّذِيۡنَ لَمۡ يَظۡهَرُوۡا عَلٰى عَوۡرٰتِ النِّسَآءِ	جنسی امور سے ناواقف یا اس پر قدرت نہ رکھنے والے بچے

مذکورہ افراد میں سے آخری چار محرم قابل ذکر ہیں۔

اپنی عورتیں

اس لفظ میں تین احتمال ہیں :

پہلا : اس سے مراد مسلمان عورتیں ہیں۔ اس قول کی بنا پر آیت کا مفہوم یہ ہے کہ غیر مسلم عورتیں نامحرم ہیں اور مسلمان عورتوں کو ان کے سامنے کھل کر نہیں آنا چاہیے۔

دوسرا : اس سے مراد تمام عورتیں ہیں خواہ وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلمان۔

تیسرا : اس سے مراد گھریلو ملازمہ ہے۔ گویا ہر عورت گھر کی عورتوں کے علاوہ باقی تمام عورتوں کے لیے نامحرم ہے اور یہ احتمال غیر قابل یقین ہے اس لیے کہ یہ بات مسلمات نیز ضروریات اسلام میں سے ہے کہ ہر عورت دوسری عورت کے لیے محرم ہے۔

دوسرا احتمال بھی ضعیف ہے کہ اس احتمال میں ضمیر کی طرف لِنِسَاءِ کے اضافے کے لیے کوئی نکتہ موجود نہیں ہے لیکن پہلے احتمال کے مطابق اس اضافے میں نکتہ یہ ہے کہ کافر عورتیں غیر اور بیگانہ ہیں اور وہ ان میں سے نہیں ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ پہلا احتمال زیادہ قوی ہے اور اس کے مطابق روایات میں بھی آیا ہے کہ یہودی اور عیسائی عورتوں کے سامنے مسلمان عورت کا برہنہ ہونا منع ہے۔ ان روایات میں اس کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ یہ ممکن ہے کہ غیر مسلم عورتیں اپنے شوہروں یا بھائیوں کے سامنے مسلمان عورتوں کے حسن وجمال کی کچھ تفصیل بیان کردیں۔

خیال رہے کہ یہاں ایک مسئلہ اور ہے اور وہ یہ کہ کسی مسلمان عورت کیلئے جائز نہیں کہ وہ کسی دوسری عورت کے محاسن یعنی اسکی خوبصورتی کی کوئی تفصیل اپنے شوہر سے بیان کرے۔ اس ممانعت کی وجہ سے مسلمان عورتوں کو تو ایک دوسری سے اطمینان ہوگیا لیکن غیر مسلم عورتوں کی طرف سے اطمینان نہیں۔ وہ ممکن ہے کہ اپنے مردوں سے مسلمان عورتوں کی کیفیت کے بارے میں بات کریں۔ اسلیے مسلمان عورتوں کو تاکید کی گئی ہے کہ وہ اپنے آپ کو ان سے ڈھانک کر رکھیں لیکن پھر بھی آیت نے مکمل طور پر اس بات کی صراحت نہیں کی ہے کہ انکے سامنے بناؤ سنگھار اور خوبصورتی کو ظاہر کرنا حرام ہے۔ لہٰذا دیگر دلائل اور قرائن سے یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ یہ عمل مکروہ ہے۔ عام طور پہ فقہاء اس مسئلے میں غیر مسلمان عورت کے سامنے مسلمان عورت کے پردے کے قائل نہیں ہیں بلکہ وہ صرف پردہ نہ کرنے کی کراہت پر فتویٰ دیتے ہیں۔

لونڈیاں اور غلام

اس جملے میں دو باتوں کا احتمال ہے۔ ایک یہ کہ اس سے مراد صرف کنیزیں ہیں اور دوسرے یہ کہ اس سے مراد مطلق مملوک ہے جس میں کنیزوں کے ساتھ غلام بھی شامل ہیں۔ اس مقام پر روایات اس دوسری تفسیر کی تائید کرتی ہیں مگر فقہائے کے فتوے اس سے ہم آہنگ نہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ ایک عراقی مدینہ آیا اور امام جعفر صادق علیہ السلام کے حضور شرفیاب ہوا۔ اثنائے گفتگو میں جب اہل مدینہ کی بات آئی تو اس شخص نے اعتراض کیا اور کہا کہ یہ لوگ اپنی

عورتوں کو غلاموں کے ساتھ بھیجتے ہیں اور یہ عورتیں سواری کے وقت ان سے مدد لیتی ہیں۔ مثلاً غلاموں کے کاندھوں پر ہاتھ رکھ کر سوار ہوتی ہیں۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اور اس کے بعد آپ نے اسی موضوع سے متعلق سورۂ احزاب کی یہ آیت تلاوت فرمائی۔

لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِيٓ اٰبَآئِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآئِهِنَّ وَلَآ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ اَخَوٰتِهِنَّ وَلَا نِسَآئِهِنَّ وَلَا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ۔ اپنے باپ، بیٹے، بھائی، بھتیجے، بھانجے، کنیزوں اور غلاموں کے باب میں عورت کے لیے کوئی حرج نہیں ہے۔ (کافی جلد ۵ صفحہ ۵۳۱)

کنیز ہو یا غلام، اسلام بعض احکامات میں ان کے لیے استثناء کا قائل ہے مثلاً ستر اور حرمت نظر کے اعتبار سے کنیزوں اور آزاد عورتوں میں بڑا فرق ہے۔ کنیزوں پر سر ڈھکنا واجب نہیں ہے جبکہ آزاد عورتوں پر سر ڈھکنا واجب ہے۔ ظاہراً اس کا سبب ان کی خدمت گزاری ہے اور بعید نہیں کہ غلام بھی اسی طرح کا استثناء رکھتے ہوں۔

تاہم جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں فقہاء کے فتوؤں کی رُو سے ایسا حکم قرینِ قیاس نہیں۔ ساتھ ہی یہ بھی بہت مستبعد نظر آتا ہے کہ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ کی آیت صرف کنیزوں کے بارے میں ہو۔

اگر ہم مملوک کے استثناء کو صرف کنیزوں تک محدود کریں تو کہنا پڑے گا کہ آزاد عورتیں ایک دوسرے کے لیے مطلق محرم ہیں لیکن کنیز آزاد عورتوں کے لیے محرم نہیں ہے مگر وہ آزاد عورت جو اُس کی مالکہ ہو اور جب ہم اس بات میں اس فتوے کا اضافہ کریں جس میں کہا گیا ہے کہ بہت سے فقہاء نے کنیزوں کے لیے پردے کو غیر مردوں کے سامنے بھی واجب نہیں جانا ہے تو بڑا عجیب نتیجہ برآمد ہوگا۔ وہ یہ کہ کنیز تمام مردوں کے لیے محرم ہے اور آزاد عورتیں تمام کنیزوں کے لیے نامحرم ہیں۔ گویا کنیز اس حکم میں مردوں کی صف میں داخل ہو جائیگی اور یہ صورت ہرگز درست نہیں۔

وہ مرد جنہیں عورتوں کی حاجت نہیں

یقینی طور پر اس جملے میں وہ دیوانے اور ذہنی طور پر معذور افراد شامل ہیں جن میں شہوت کا کوئی مادہ نہیں ہوتا اور وہ عورت کی کشش محسوس کرنے سے قاصر ہوتے ہیں۔ بعض افراد نے اس آیت میں زیادہ عمومیت پیدا کی ہے اور ان میں محل کے خواجہ سراؤں کو بھی اس بنیاد پر شامل کر لیا ہے کہ ان میں بھی عورتوں کی خواہش نہیں ہوتی۔ گزشتہ دور میں اس فتوے کی بنیاد پر مخنثوں اور خواجہ سراؤں کو محرم سمجھ کر انہیں حرم سراؤں کی خدمت پر مامور کیا جاتا تھا۔

بعض دوسرے افراد نے اس آیت کو اور زیادہ وسعت دی ہے اور کہا ہے کہ اس میں فقراء اور مساکین بھی شامل ہیں۔ جو لوگ روٹی کے ایک نوالے کو ترستے ہیں اور طبقاتی اعتبار سے بھی ان میں بہت فاصلہ پایا جاتا ہے انہیں ہرگز جنسی مسائل کی فکر لاحق نہیں ہوتی۔

لیکن سچ یہ ہے کہ اس آیت کے مفہوم کو اس قدر وسعت دینا حقیقت پسندانہ نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس میں پہلے طبقے کے افراد آتے ہیں اور اگر ہم اسے زیادہ عمومیت دینا چاہیں تو زیادہ سے زیادہ دوسرے طبقے کو اس میں شامل کر سکتے ہیں۔

جنسی امور سے ناواقف یا اس پر قدرت نہ رکھنے والے بچے

اس جملے کی بھی دو طرح سے تفسیر کی جا سکتی ہے۔ لَمْ يَظْهَرُوا کا جملہ ظہور کے مادے سے ہے اور عَلٰی کے لفظ نے اسے متعدی بنا دیا ہے۔ ممکن ہے ان دونوں لفظوں کی ترکیب اِطِّلاع کا مفہوم پیش کرے۔ اس صورت میں معنی یہ ہوں گے: "وہ بچے جو عورتوں کے امور سے قطعی واقف نہیں" اور ممکن ہے اس سے غلبہ اور قدرت کا مفہوم لیا جائے۔ ایسی صورت میں مراد یہ ہو گی: "ایسے بچے جو عورتوں سے لذت گیری کی صلاحیت نہیں رکھتے۔"

پہلے احتمال کے مطابق غیر ممیز بچے مراد ہیں جن میں ایسی باتوں پر دھیان دینے کی صلاحیت نہیں ہوتی لیکن دوسرے احتمال کے مطابق وہ بچے مراد ہیں جو جنسی امور پر قدرت نہیں رکھتے، یعنی ابھی نابالغ ہیں، گو وہ ممیز ہوں اور سب باتوں کو سمجھتے ہوں۔ اس احتمال کے بموجب وہ

بچے جو حدِ بلوغ کو پہنچ گئے ہوں لیکن ابھی بالغ نہ ہوئے ہوں استثنا میں شامل ہوں گے فقہا کا فتویٰ بھی اسی تفسیر کے مطابق ہے۔

اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے: وَلَا یَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِیُعْلَمَ مَا یُخْفِیْنَ مِنْ زِیْنَتِهِنَّ۔ یعنی عورتیں اپنی زینتوں کے اظہار کے لیے زمین پر پاؤں مار کر نہ چلیں۔

عرب عورتیں عام طور پر پازیب پہنتی تھیں اور یہ بتانے کے لیے کہ انھوں نے قیمتی پازیب پہن رکھا ہے اپنے پیر زور سے زمین پر مار کر چلا کرتی تھیں۔ قرآن مجید نے انہیں اس سے روکا اور اس کی ممانعت فرمائی۔

اس آیت سے یہ مفہوم نکلتا ہے کہ تیز خوشبو اور پرکشش آرائش جیسی ہر وہ چیز جو مردوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرتی ہے عورت کے لیے ممنوع قرار دی گئی ہے۔ اصولی طور پر عورتوں کو معاشرے میں کوئی ایسا کام نہیں کرنا چاہیے جو مردوں کی تحریک کا باعث ہو یا نامحرم لوگ اس عمل سے ان کی طرف متوجہ ہوں اور ان میں دلچسپی لیں، آیت کا آخری جملہ ہے: وَتُوْبُوْٓا اِلَی اللّٰهِ جَمِیْعًا اَیُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ۔ مومنو! تم سب کے سب اللہ کے حضور توبہ کرو تاکہ تم فلاح پا جاؤ۔

قرآن مجید کا اسلوب یہ ہے کہ وہ تمام احکامات کے بعد لوگوں کو اللہ کی طرف متوجہ کرتا ہے تاکہ وہ احکامات پر عمل پیرا ہونے میں سہل انگاری سے کام نہ لیں۔

سورۂ نور کی دیگر آیتیں

سورۂ نور کی مندرجہ ذیل آیتیں بھی انہی مباحث سے متعلق ہیں۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِیَسْتَاْذِنْکُمُ الَّذِیْنَ مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ ...... وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ۔ اے صاحبانِ ایمان! لازم ہے کہ تمہارے مملوک اور نابالغ بچے تم سے ملنے کے لیے تین موقعوں پر اجازت طلب کریں۔ نمازِ فجر سے پہلے، دوپہر کو جب تم (قیلولہ کے لیے) اپنا لباس اتار دیتے ہو اور تیسرے نمازِ عشاء کے بعد (جب تم سونے کی تیاری کرتے ہو)۔ یہ تینوں تمہارے تخلیے کے

وقت ہیں۔ ان تین وقتوں کے علاوہ بلا اجازت آنے جانے میں نہ تمہارے ذمہ کوئی الزام ہے نہ ان کے ذمہ اور تم ایک دوسرے کے پاس آتے جاتے رہو۔ اللہ اس طرح تمہارے لیے احکام کھول کر بیان کرتا ہے۔ خداوند عالم بڑا جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

اور جب تمہارے بچے بالغ ہو جائیں تو ان پر بھی لازم ہے کہ تمہاری خلوت گاہ میں آنے کے لیے دوسروں کی طرح اجازت طلب کریں۔ خداوند عالم اپنی آیتوں کو اس طرح کھول کر بیان کرتا ہے اور خدا علیم و حکیم ہے۔

وہ سن رسیدہ عورتیں جن کو نکاح کی امید باقی نہ ہو تو ان کے لیے اس صورت میں برقع اتار دینے میں کوئی حرج نہیں کہ وہ بناؤ سنگھار کے عالم میں نہ ہوں اور خود نمائی کا قصد نہ رکھتی ہوں لیکن اگر برقع اتار دینے سے باز رہیں تو ان کے لیے بہتر ہے اور خداوند عالم سننے اور جاننے والا ہے۔ (سورہ نور۔ آیت ۵۸۔۶۰)

ان آیتوں میں دو استثناء بیان کیے گئے ہیں۔ پہلا کمرے میں داخل ہونے سے پہلے اجازت لینے کا اور دوسرا عورتوں کے پردے کا اصول۔ شروع کی دو آیتیں پہلے استثناء اور تیسری آیت دوسرے استثناء سے متعلق ہے۔

ہم پہلے اس حکم کی وضاحت کر چکے ہیں کہ جو کوئی خلوت کدہ میں داخل ہونا چاہے اسے چاہیے کہ وہ پہلے اجازت طلب کرے اور ہم اس میں یہ بھی بتا چکے ہیں کہ یہ حکم قریبی محرم پر بھی لاگو ہوتا ہے۔ ان آیتوں میں دو طبقے اس دستور سے مستثنیٰ ہیں۔ ان دو طبقوں کے لیے صرف تین وقتوں میں طلب اجازت ضروری ہے مگر دوسرے اوقات میں وہ آزاد ہیں۔ وہ دو طبقے یہ ہیں:

۱۔ اَلَّذِیْنَ مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ — تمہارے مملوک

۲۔ اَلَّذِیْنَ لَمْ یَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْکُمْ — تمہارے نابالغ بچے

وہ تین اوقات جن میں یہ دو گروہ اجازت لینے کے پابند ہیں یہ ہیں:

نماز فجر سے پہلے، دوپہر کو جب لوگ گرمی کے سبب اپنا اوپری لباس اتار کر سستاتے ہیں اور نماز عشاء کے بعد جو سونے کا وقت ہوتا ہے۔

ان مواقع پر بالعموم مرد و زن سونے کے مخصوص لباس میں ہوتے ہیں اور چونکہ وہ (نمازِ عشاء کے بعد) ایک ساتھ سوتے ہیں اور (نمازِ فجر سے پہلے) ایک ساتھ سوکر اٹھتے ہیں اور ان کا لباس مکمل نہیں ہوتا اس لیے کنیزوں، غلاموں اور نابالغ بچوں کو بغیر اجازت ان کے کمرے میں داخل نہیں ہونا چاہیے۔ البتہ دوسرے مواقع پر کثرت آمد و رفت کے سبب طَوّٰفُوْنَ عَلَیْکُمْ بَعْضُکُمْ عَلٰی بَعْضٍ۔ اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ ان آیتوں میں ہم تین نکتوں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

۱۔ اَلَّذِیْنَ مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ کے ساتھ جمع مذکر کے لیے استعمال ہونے والا موصول اَلَّذِیْنَ آیا ہے جو حتماً غلاموں کو شامل کرتا ہے جیسا کہ تفسیروں اور روایتوں میں بھی اس کی تصریح موجود ہے۔ اصول کافی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے جو روایت منقول ہے، اس میں آپ فرماتے ہیں: قَالَ: هِیَ خَاصَّةٌ فِی الرِّجَالِ دُوْنَ النِّسَآءِ قِیْلَ فَالنِّسَآءُ یُسْتَاْذَنُ فِیْ هٰذِهِ الثَّلَاثِ سَاعَاتٍ؟ قَالَ لَا وَلٰکِنْ یَدْخُلْنَ وَیَخْرُجْنَ۔ یعنی تین مواقع پر اجازت کا دستور مردوں سے مخصوص ہے۔ پوچھا گیا کہ کیا عورتوں کے لیے اجازت لینا ضروری ہے؟ فرمایا نہیں یہ اسی طرح آجا سکتی ہیں۔
(کافی جلد ۵ صفحہ ۵۲۹)

غلاموں کا ان تین مواقع سے ہٹ کر عورت کے کمرے میں داخل ہونا اس بات پر دلیل ہے کہ غلام استثنائی کیفیت کے حامل ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُهُنَّ کے جملے میں غلام بھی شامل ہیں جیسا کہ ہم پردے کی آیت میں پہلے عرض کر چکے ہیں۔ اس آیت میں بھی مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ کا بیان (ضمیر مذکر کے ساتھ) ہوا ہے۔ یعنی یہ ضروری نہیں کہ غلام خود عورت کا مملوک ہو۔

یہاں یہ اعتراض نہیں ہونا چاہیے کہ اب تو غلامی کی رسم ختم ہو چکی ہے اور غلاموں کا وجود ہی نہیں، اس لیے اس بحث پر اتنا زور دینا بالکل بیکار ہے۔ اولاً تو اسلام کا ان مسائل کے بارے میں نقطۂ نظر واضح ہو جانے سے ہمیں ان قوانین کے عمومی مقصد سے بہتر واقفیت ہو جائے گی جن میں سے بعض کی آج بھی ضرورت ہے۔ دوسرے ہو سکتا ہے کہ کوئی پرجوش مجتہد غلاموں کے احکام کا بعض مماثل صورتوں میں نوکروں اور خدمتگاروں پر بھی اطلاق کر دے۔

۲ طَوَّافُوْنَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ کے جملے سے سمجھا جا سکتا ہے کہ غلاموں اور نابالغ بچوں کو اذن سے اس لیے مستثنیٰ کیا گیا ہے کہ وہ بہت زیادہ آمد و رفت رکھتے ہیں اور ان کا بار بار اجازت مانگنا کام میں حرج کا باعث بنتا ہے۔

درحقیقت ان موارد میں استثناء کا سبب یہی ہے کہ یہاں پابندی دشواری کا سبب ہوتی ہے۔ اس میں ملکیت کا کوئی دخل نہیں۔

ہمارے خیال میں چہرہ دو ہاتھ اور پردے سے متعلق استثنائات اور اسی طرح محرموں کا استثناء بھی اسی زمرہ میں آتا ہے۔ گو کہ اس موضوع پر پہلے گفتگو ہو چکی ہے مگر آگے چل کر ہم زیادہ وضاحت سے اس کی تشریح کریں گے۔

۳ اس آیت میں دوسرے بالغ مردوں کی طرح تین وقتوں میں اجازت طلب کرنیوالوں میں وہ بچے بھی مکلف قرار دیے گئے ہیں جو ابھی سن بلوغ کو نہیں پہنچے اس بنا پر نابالغ بچے خواہ وہ سمجھدار اور سن بلوغ کے قریب ہی کیوں نہ ہوں آیت میں معین شدہ ان تین وقتوں کے علاوہ بغیر اجازت خلوت گاہ میں داخل ہو سکتے ہیں۔

یہ آیت بظاہر اس بات پر دلیل بن سکتی ہے کہ پردے سے متعلق آیت میں اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرَاتِ النِّسَآءِ کے جملے سے مراد ناسمجھ نہیں بلکہ نابالغ بچے ہیں اور ہم نے پہلے بھی اس کے مفہوم میں دو احتمالات پیش کیے ہیں۔

پردے کے مسئلے سے متعلق پہلا اور دوسرا استثناء اسی سورے کی اکتیسویں آیت میں مذکور ہے۔ یہ تیسرا استثناء وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ اللّٰتِيْ لَا يَرْجُوْنَ نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ ...... کی آیت ہے اس میں ارشاد ہوتا ہے:

وہ سن رسیدہ عورتیں جنہیں اب شادی کی کوئی امید نہیں ہے وہ اپنا برقع اتار سکتی ہیں مگر اس شرط کے ساتھ کہ ان کا مقصد خود نمائی اور خود آرائی نہ ہو لیکن اگر وہ اپنی پاکدامنی کا خیال رکھتے ہوئے پردے کی رعایت کریں تو یہ ان کے حق میں بہتر ہے اور خداوند عالم سننے اور جاننے والا ہے۔

قَوَاعِد سے مراد کون ہیں؟ وہ ضعیف عورتیں جو جنسی اعتبار سے مرد کی مطلوب نظر

نہیں ہوتیں اور اسی لیے انہیں اپنی شادی کی امید نہیں رہتی۔ ممکن ہے ان میں شادی کی طمع باقی ہو مگر امید نہیں کا جملہ بتاتا ہے کہ عورت کے دو لباس ہیں۔ ایک باہر جانے کا پہناوا اور دوسرے گھر کا لباس۔ سن رسیدہ عورت کو جس پہناوے کی چھوٹ دی گئی ہے وہ باہر جانے والا اوپری پہناوا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ انہیں خودنمائی اور خود آرائی کی اجازت نہیں ہے۔

اسلامی روایات میں بوڑھی عورتوں کے لیے ترک پردہ کے حدود متعین ہیں اور ان کے لیے سروں سے اپنی اوڑھنیاں ہٹانے کو جائز قرار دیا گیا ہے۔

اَلْحَلَبِیُّ عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰهِ اَنَّهٗ قَرَاَ "اَنْ يَّضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ" قَالَ: اَلْخِمَارُ وَالْجِلْبَابُ قُلْتُ بَيْنَ يَدَیْ مَنْ كَانَ؟ فَقَالَ: بَيْنَ يَدَیْ مَنْ كَانَ غَيْرَ مُتَبَرِّجَةٍ بِزِيْنَةٍ۔ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهَا۔ (کافی جلد ۵ صفحہ ۵۲۲۔ وسائل جلد ۳ صفحات ۲۵-۲۶)

عبداللہ حلبی کہتے ہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: اَنْ يَّضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ سے مراد اوڑھنی یا دوپٹہ ہے۔

میں نے عرض کی خواہ کسی کے سامنے کیوں نہ ہو؟ فرمایا ہاں! کسی کے سامنے کیوں نہ ہو مگر شرط یہ ہے کہ سادگی کے ساتھ ہو خودنمائی اور خود آرائی کے ساتھ نہ ہو۔

وَاَنْ يَّسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ کے جملے سے یہ قاعدۂ کلیہ استنباط کیا جا سکتا ہے کہ اسلام کی رو سے عورت پردے کی جس قدر رعایت کرے وہ زیادہ بہتر اور زیادہ پسندیدہ ہے۔ لہٰذا چہرے اور ہاتھوں کو پوشیدہ نہ رکھنے سے متعلق چھوٹ کو جو ضرورت کے تحت آسانی کے لیے دی گئی ہے قاعدہ کلیہ کو فراموش کرنے کا سبب نہیں بننا چاہیے۔

ازواج پیغمبرؐ

بنیادی طور پر پردے سے متعلق سورۂ نور کی وہی آیتیں نازل ہوئی تھیں جنہیں ہم بیان کر چکے ہیں۔ سورۂ احزاب کی بھی چند آیتیں ہیں جنہیں اس موضوع کے ضمن میں ذکر کیا جا سکتا ہے۔ ان آیتوں میں سے کچھ ازواج رسولؐ کے بارے میں ہیں اور کچھ پاکدامنی اور پرہیزگاری سے متعلق ہیں۔

پہلے ہم ان آیتوں کو پیش کرتے ہیں جو ازواجِ رسولؐ سے متعلق ہیں:

یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَیْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَیَطْمَعَ الَّذِیْ فِیْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا۔ وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْاُوْلٰی...

"اے رسولؐ کی بیویو! تم دوسری عورتوں کی مانند نہیں ہو۔ پس اگر تم کو پرہیزگاری منظور ہے تو کسی سے نرم لہجے میں چبا چبا کر گفتگو نہ کرو جس سے بیمار دل افراد لالچ میں پڑ جائیں۔ بس شائستگی کے ساتھ صاف صاف گفتگو کیا کرو اور اپنے گھروں میں بیٹھی رہو اور پہلی جاہلیت کے دور کی طرح خودنمائی اور خودآرائی کے لیے باہر نہ نکلا کرو۔" (سورہ احزاب۔ آیات ۳۲۔۳۳)

اس حکم سے امہات المومنین کو گھر میں مقید رکھنا مقصود نہیں ہے۔ اسلام کی تاریخ گواہ ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سفر کے دوران اپنی ازواج کو بھی اپنے ساتھ رکھا کرتے تھے اور باہر نکلنے سے منع نہیں فرماتے تھے۔ اس حکم سے مراد یہ ہے کہ عورت خودنمائی کی غرض سے گھر سے باہر نہ نکلے خاص طور پر ازواجِ پیغمبرؐ کو اس ذمہ داری کی زیادہ شدید تاکید کی گئی ہے۔

سورۂ احزاب میں ارشاد ہوتا ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتَ النَّبِیِّ اِلَّاۤ اَنْ یُّؤْذَنَ لَكُمْ ......

اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِیْمًا۔ (سورۂ احزاب۔ آیت ۵۳)

بے پرواعرب مسلمان کسی بات کا خیال کیے بغیر بے دھڑک رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کمروں میں گھس جایا کرتے تھے جہاں آپ کی ازواج بھی تشریف رکھتی تھیں۔ آیت نازل ہوئی کہ اے ایمان لانے والو! اولاً بلا اطلاع اور بلا اجازت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر میں داخل ہونے کی کوشش نہ کرو اور اگر وہ تمہیں دعوت پر بلائیں تو ایسے وقت نہ آؤ کہ کھانا ملنے کے منتظر رہو بلکہ عین وقت پر آؤ اور جیسے ہی کھانا کھا چکو فوراً رخصت ہو جاؤ اور ادھر ادھر کی باتوں میں نہ لگ جایا کرو کیونکہ یہ باتیں پیغمبرؐ کیلئے زحمت کا باعث بنتی ہیں۔ انہیں شرم محسوس ہوتی ہے کہ تمہیں چلے جانے کو کہیں لیکن اللہ حق بات کہنے میں نہیں شرماتا اور ثانیاً جب تم ازواجِ رسولؐ سے کچھ لینا چاہو تو تمہیں چاہیے کہ گھر میں داخل ہوئے بغیر پس پردہ رہ کر ان سے طلب کرو۔ یہ طریقہ تمہارے اور ان

کے قلوب کی پاکیزگی کے لیے بہتر ہے۔ تمہارے لیے یہ جائز نہیں کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایذا دو اور نہ یہ کہ تم ان کی ازواج سے ان کے بعد نکاح کرو کیونکہ اللہ کے نزدیک یہ بہت بری بات ہے۔ (آیت ۵۳)

اس آیت میں لفظ حِجَاب استعمال ہوا ہے۔ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ متقدمین نے جہاں کہیں بھی حجاب پر گفتگو کی ہے اس سے ان کی مراد یہی آیت رہی ہے۔ اس آیت میں موجود حجاب کا حکم پردے کے اس حکم سے مختلف ہے جو ہمارا موضوع بحث ہے۔

اس آیت میں دوسروں کے گھروں میں داخلے کا طریقہ بتایا گیا ہے جس کے مطابق مردوں کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ عورتوں کے کمروں میں داخل ہوں بلکہ اگر انہیں کسی چیز کی ضرورت بھی ہو تو انھیں چاہیے کہ پس پردہ کھڑے ہو کر اسے طلب کریں۔ اس مسئلے کا پردے کی بحث سے کوئی ربط نہیں ہے کہ جسے اصطلاح فقہ میں حِجَاب نہیں بلکہ سَتر کے عنوان سے یاد کیا جاتا ہے۔

ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ کا جملہ سورہ نور کی اکتیسویں آیت وَاَنْ يَّسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ کی طرح اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ مرد اور عورت جس قدر زیادہ ستر پوشی اور پردے کا خیال رکھیں اور آپس کے میل جول سے اجتناب کریں اسی قدر تقویٰ اور پاکیزگی سے قریب ہوں گے اور جیسا کہ ابھی ہم نے کہا ہے ان رخصتوں، رعایتوں اور سہولتوں کو جو مذہب نے ضرورتاً ہمیں دی ہیں ستر پوشی، پردے اور ترک نظر سے بے توجہی کا سبب نہیں بننا چاہیے۔

تحفّظ عصمت

قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ..... (سورۂ احزاب۔ آیت ۵۹)

"اے نبیؐ! اپنی بیویوں، بیٹیوں اور مومن عورتوں سے کہہ دیجیے کہ وہ اپنی چادروں کو اپنے قریب کر لیا کریں۔ یہ عمل ان کی شناخت، نیز ان کے اذیت سے بچنے کے لیے مناسب ہے اور

خداوندِ عالم تو بڑا بخشنے اور رحم کرنے والا ہے۔"

اگر منافق، بے ایمان اور شریر فسادی اپنے کرتوتوں سے باز نہ آئے تو ہم ان پر آپ کو مسلّط کر دیں گے۔ پھر وہ بہت کم مدت تک آپ کے ہمسایہ رہیں گے۔

اس آیت میں دو باتوں پر توجہ ضروری ہے۔ ایک یہ کہ جِلْبَاب کیا ہے اور اسے قریب کر لینے کا کیا مطلب ہے؟ اور دوسرے یہ کہ اس حکم کی علت اور فائدے کے عنوان سے جو بات کہی گئی ہے کہ 'یہ بات شناخت اور اذیت سے بچنے کے لیے مناسب ہے' اس کا مفہوم کیا ہے؟

پہلی بات: اس باب میں کہ جلباب کس قسم کے لباس کو کہا جاتا ہے مفسرین اور لغت کے ماہرین کی رائے میں اختلاف پایا جاتا ہے اس لیے اس بارے میں صحیح مفہوم کا تعین بہت مشکل ہے۔

صاحبِ المنجد لکھتے ہیں: اَلْقَمِیْصُ اَوِ الثَّوْبُ الْوَاسِعُ یعنی جلباب کشادہ لباس یا پیراہن ہے۔

راغب اصفہانی کی مفردات القرآن میں جو قرآن مجید کی شرح لغات سے متعلق بڑی معتبر اور موثر کتاب ہے، لکھا ہے: "اَلْجَلَابِیْبُ : اَلْقُمُصُ وَالْخُمُرُ" یعنی قمیص اور اوڑھنی۔

قاموس کی عبارت یہ ہے: وَالْجِلْبَابُ کَسِرْدَابٍ وَسِنِمَّارٍ : اَلْقَمِیْصُ وَثَوْبٌ وَاسِعٌ لِلْمَرْاَۃِ دُوْنَ الْمِلْحَفَۃِ اَوْمَا تُغَطِّیْ بِہٖ ثِیَابَھَا مِنْ فَوْقٍ کَالْمِلْحَفَۃِ اَوْھُوَ الْخِمَارُ یعنی جلباب قمیص کو اور ایک بڑے کشادہ کپڑے کو کہتے ہیں جو چادر سے چھوٹا یا خود (چادر کی طرح کا) ایک کپڑا ہوتا ہے جس کے ذریعے عورت اپنی پوشاک ڈھانپتی ہے یا پھر اوڑھنی۔

لسان العرب میں لکھا ہے: اَلْجِلْبَابُ ثَوْبٌ اَوْسَعُ مِنَ الْخِمَارِ دُوْنَ الرِّدَاءِ تُغَطِّیْ بِہِ الْمَرْاَۃُ رَاْسَھَا وَصَدْرَھَا یعنی جلباب اوڑھنی سے بڑا اور عبا سے چھوٹا ایک لباس ہے جس سے عورت اپنا سر اور سینہ ڈھانپتی ہے۔

تفسیر کشاف کی عبارت بھی اس مفہوم سے قریب ہے۔ تفسیر مجمع البیان میں جہاں اس لفظ کے معنی بتائے گئے ہیں وہاں لکھا ہے: اَلْجِلْبَابُ خِمَارُ الْمَرْاَۃِ الَّذِیْ تُغَطِّیْ

رَأْسَهَا وَوَجْهَهَا اِذَا خَرَجَتْ لِحَاجَةٍ — جلباب سر کی اس چادر کو کہتے ہیں جس سے خواتین گھر سے نکلتے وقت اپنے سر اور چہرے کو ڈھانپتی ہیں۔

لیکن آیت کی تفسیر کے ضمن میں لکھا ہے: اَیْ قُلْ لِّهٰٓؤُلَآءِ فَلْیَسْتُرْنَ مَوْضِعَ الْجَیْبِ بِالْجِلْبَابِ وَهُوَ الْمُلَائَةُ الَّتِیْ تَشْتَمِلُ بِهَا الْمَرْاَةُ — عورت جو چوغہ پہنتی ہے اور جس سے اپنا گریبان چھپاتی ہے وہ جلباب ہے۔

اس کے بعد لکھا ہے:

اور کہا گیا ہے کہ جلباب سے مراد اوڑھنی ہے اور آیت کا مقصد یہ ہے کہ آزاد عورتیں گھر سے باہر نکلتے وقت اپنے سر اور پیشانیوں کو ڈھانپ لیں۔

جیسا کہ آپ نے ملاحظہ فرمایا مفسروں کی آراء سے جلباب کا مفہوم چنداں واضح نہیں اور جو بات صحیح دکھائی دیتی ہے وہ یہ ہے کہ لفظ جلباب میں ہر قسم کا کشادہ لباس شامل ہے لیکن غالباً یہ لفظ سر کی ان چادروں کے لیے استعمال ہوا ہے جو اوڑھنیوں سے بڑی اور رداسے چھوٹی ہوتی تھیں۔ ضمناً معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں میں دو طرح کی چادروں کا رواج رہا ہے۔ ایک چھوٹی چادریں جو گھر میں استعمال ہوتی تھیں جنہیں خمار اور مقنعہ کہا جاتا تھا اور دوسری بڑی چادریں جنہیں جلباب کہا جاتا تھا اور جو باہر کے استعمال کے لیے ہوا کرتی تھیں۔ یہ مفہوم ان روایتوں سے بھی مطابقت رکھتا ہے جن میں لفظ جلباب آیا ہے، جیسے عبیداللہ حلبی کی روایت جسے ہم سورۂ نور کی اکسٹھویں آیت کی تفسیر میں نقل کر چکے ہیں، جس کا مضمون یہ تھا: سن رسیدہ عورتوں کے لیے خمار اور جلباب اتارنا جائز ہے۔ ان کے بالوں پر نگاہ پڑنے میں کوئی حرج نہیں۔ اس جملے سے معلوم ہوتا ہے کہ جلباب اس کپڑے کو کہتے ہیں جس سے سر کے بال چھپائے جاتے ہیں۔

اسی طرح اس آیت سے متعلق کافی[1] کی دیگر روایتوں میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ اَلْخِمَارُ وَالْجِلْبَابُ اِذَا کَانَتِ الْمَرْئَةُ مُسِنَّةً یعنی جب عورت سن رسیدہ ہو جائے تو اس کے لیے ترک چادر جائز ہے۔

---

[1] کافی جلد ۵ صفحہ ۵۲۲

اس بنا پر جلباب کو اپنے سے قریب کرنے کا مطلب اس کو اوڑھنا ہے۔ یعنی جب عورتیں گھر سے باہر نکلنا چاہیں تو اپنی بڑی چادروں کو اوڑھ لیا کریں۔ البتہ کسی چیز کو اپنے سے نزدیک کر لینے کے لغوی معنے اس کو اوڑھنا نہیں ہے بلکہ موارد سے یہ استفادہ ہوتا ہے کہ جب کسی عورت سے یہ کہا جاتا ہے کہ اپنے لباس کو اپنے سے قریب کرو تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ اسے نہ چھوڑو اسے سمیٹ کر ایک طرف نہ رکھو، اسے بے اثر اور بے خاصیت نہ جانو اور اپنے کو اس سے ڈھانپ لو۔

عورتوں میں بڑی چادر کا استعمال دو طرح سے ہوتا ہے ۔ ایک عادتاً اور رسماً جیسا کہ آجکل دکھائی دیتا ہے۔ اس چادر سے بدن کا کوئی حصہ نہیں چھپتا۔ اسے یونہی کاندھوں پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ چادر اوڑھنے کا انداز ہی یہ بتاتا ہے کہ انہیں غیر مردوں سے کوئی پرہیز نہیں اور یہ بھی پروا نہیں کہ نامحرم نظریں ان کا بھرپور جائزہ لے رہی ہیں۔ چادر پوشی کا دوسرا طریقہ اس کے برعکس ہے۔ عورت چادر کو اپنے گرد اس طرح اوڑھتی ہے کہ دیکھنے والوں کو اندازہ ہو جاتا ہے کہ ایک باعصمت خاتون جا رہی ہے۔ یہ بات خود بخود مردوں کو ان سے دور رکھنے کا سبب ہوتی ہے اور دل میں خباثت رکھنے والوں کو مایوس کرتی ہے۔ ہم بعد میں یہ بتائیں گے کہ اس جملے کے ذیل میں جو تعلیل ہے وہ اسی مفہوم کی تائید کرتی ہے۔

اور اب دوسری بات جو اس دستور کی علت اور فائدے کی بحث میں ہے:

مفسرین کہتے ہیں: منافقوں کی ایک ٹولی شام ڈھلے گلی کوچوں میں کنیزوں کو چھیڑا کرتی تھی۔ البتہ جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کنیزوں کے لیے سر ڈھانکنا واجب نہیں رہا ہے۔ کبھی کبھی مزاحمت کرنے والے یہ بدقماش نوجوان آزاد عورتوں پر بھی آوازے کستے اور بعد میں ظاہر کرتے کہ ان سے نادانستہ طور پر کنیز کے دھوکے میں یہ غلطی سرزد ہوئی ہے لہٰذا آزاد عورتوں کو حکم دیا گیا کہ وہ جلباب کے بغیر یعنی مکمل لباس کے بغیر گھر سے باہر نہ نکلیں تاکہ کنیزوں سے ان کی پہچان میں آسانی ہو اور وہ مزاحمت سے بچی رہیں۔

مذکورہ بیان میں اعتراض کی گنجائش ہے کیونکہ اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ کنیزوں سے چھیڑ چھاڑ کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں اور منافقوں نے اس کو اپنے لیے ایک قابل قبول عذر سمجھ کر پیش کیا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ اگرچہ کنیزوں پر بالوں کا ڈھانکنا واجب نہیں ہے

اور شاید اس راز کا سبب یہ ہو کہ کنیزوں کا سراپا عام طور پر کسی جاذبیت کا حامل نہیں ہوتا اور پھر ان کے کام کی نوعیت اس پابندی کی اجازت نہیں دیتی۔ نیز ہم پہلے اس کیفیت کو بیان کر چکے ہیں لیکن بہرحال ایسا نہیں ہے کہ کنیزوں کے باب میں یہ دست اندازیاں گناہ نہ سمجھی جاتی ہوں اور منافقین کا اس بات کو اپنے لیے عذر کے طور پر پیش کرنا صحیح ہو۔

اس جملے کے مفہوم میں جو دوسرا احتمال پیش کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ اگر عورت اپنے آپ کو ڈھانپ کر باوقار طریقے سے باہر نکلے اور اپنی عصمت اور عفت کو ملحوظ خاطر رکھے تو بدقماش افراد کو یہ جرأت نہیں ہوتی کہ وہ اس کے ساتھ کوئی زیادتی کریں۔

پہلے احتمال کی بنا پر ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ کا مفہوم یہ ہے کہ اس طرح ان کی پہچان ہو جائے گی کہ وہ آزاد عورتیں ہیں، کنیزیں نہیں اور یوں انھیں نوجوانوں کی چھیڑ چھاڑ سے چھٹکارا ملے گا لیکن دوسرے احتمال کی بنا پر اس جملے کا مفہوم یہ ہو گا کہ اس طرح وہ پہچانی جائیں گی کہ ان کا شمار باعصمت عورتوں میں ہے اور بدکردار افراد ان پر ہوس کی نگاہ نہیں ڈالیں گے۔

اس آیت میں پردے کے حدود بیان نہیں ہوئے ہیں لہٰذا اس سے یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ چہرے کا چھپانا ضروری ہے یا نہیں؟ پردے کے حدود کو متعین کرنے والی آیت سورۂ نور کی اکتیسویں آیت ہے اور اس کے بارے میں پہلے گفتگو ہو چکی ہے۔

اس آیت سے جو مفہوم مستفاد ہوتا ہے وہ ایک جاودانی حقیقت بھی ہے کہ مسلمان عورتوں کو چاہیے کہ وہ لوگوں میں اس طرح آمد و رفت کریں کہ اس سے ان کی عصمت، وقار، دبدبہ اور پاکیزگی کی علامات ظاہر ہوں اور وہ ان خصوصیتوں کے ساتھ پہچانی جائیں۔ اس صورت میں بدنہاد افراد جو ہمیشہ شکار کی تلاش میں رہتے ہیں ان سے مایوس ہو جائیں گے اور ان سے حصول مطلب کے متعلق سوچ بھی نہ سکیں گے۔ اکثر و بیشتر دیکھنے میں آتا ہے کہ وہ آوارہ نوجوان ہمیشہ ایسی عورتوں کے تعاقب میں رہتے ہیں جو بے پردہ اور عشوہ گر ہوتی ہیں۔ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ وہ انہیں تنگ کرنے سے باز کیوں نہیں آتے تو انکا جواب یہی ہوتا ہے کہ اگر انکو ہماری چھیڑ چھاڑ پسند نہیں تو وہ اس کیفیت کے ساتھ گھر سے کیوں نکلتی ہیں۔

اس آیت میں آنے والا حکم اس دستور کی طرح ہے جو اس سورے کی ۳۲ ویں آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج کے بارے میں وارد ہوا ہے: فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ۔ یعنی بات کرنے میں وہ انداز اختیار نہ کیا جائے جس سے دل پھینک افراد میں تحریص پیدا ہو۔ اس آیت میں حکم دیا گیا ہے کہ عورتیں غیر مردوں سے اس طرح بات کریں جو ان کے وقار و عصمت کی آئینہ دار ہو جبکہ ہم باوقار طریقے سے آمد و رفت پر بحث کر رہے ہیں۔

ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ بعض اوقات انسان کی ادائیں کلام کرتی ہیں۔ کبھی عورت کی پوشاک، کبھی اس کی رفتار اور کبھی اس کی گفتار معنی خیز ہوتی ہے جو زبان بے زبانی سے کہتی ہے کہ اپنا دل مجھے دے، میری تمنا میں رہ، میرا پیچھا کر وغیرہ اور کبھی اس کے برعکس حرکات و سکنات ظاہر کرتے ہیں کہ یہاں دال گلنے والی نہیں۔

بہر حال اس آیت سے جو بات واضح ہوتی ہے وہ یہی ہے جو بیان کی گئی ہے۔ اس میں پردے سے متعلق کسی خاص کیفیت کا تذکرہ نہیں ہے۔ پردے کی کیفیت صرف سورۂ نور کی ۳۱ ویں آیت میں مذکور ہے۔ اس بات کے پیش نظر کہ یہ آیت سورۂ نور کی آیت کے بعد نازل ہوئی ہے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِن جَلَابِيبِهِنَّ سے مراد یہ ہے کہ اس آیت پر عمل کرنے کے علاوہ سورۂ نور میں دیے گئے حکم کی بھی مکمل پابندی کی جائے تاکہ شریر افراد کے شر سے بچا جا سکے۔

اس سے پہلی آیت میں ارشاد ہوتا ہے: وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوا فَقَدِ احْتَمَلُوا بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُّبِينًا یعنی وہ لوگ جو بلا وجہ ایماندار مردوں اور عورتوں کی تکلیف کا سامان فراہم کرتے ہیں وہ بہتان اور صریح گناہ کا وبال اپنے سر لیتے ہیں۔ یہ آیت باضابطہ طور پر ان لوگوں کی مذمت کرتی ہے جو مسلمان مردوں اور عورتوں کو اذیت پہنچاتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی عورتوں کو حکم دیتی ہے کہ وہ اپنے چال چلن میں وقار اور سنجیدگی کا لحاظ رکھیں تاکہ شریروں کی ایذا رسانی سے محفوظ رہیں۔ اس آیت پر توجہ دینے سے زیر بحث آیت کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

اکثر مفسرین نے يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ کا مقصد چہرے کو چھپانا سمجھا ہے حالانکہ مفسرین تسلیم کرتے ہیں کہ یدنین کے اصلی معنی چھپانے یا ڈھکنے کے نہیں ہیں۔ مگر چونکہ انہوں نے عموماً یہ سمجھا ہے کہ یہ حکم اس لیے ہے کہ آزاد عورتوں اور کنیزوں میں آسانی سے تمیز کی جاسکے، اس لیے انھوں نے یہ معنی لیے ہیں۔ مگر جیسا کہ ہم نے پہلے بھی کہا ہے یہ تفسیر صحیح نہیں ہے۔ یہ بات کسی طرح بھی تسلیم نہیں کی جاسکتی کہ قرآن کریم آزاد عورتوں پر توجہ دے اور مسلمان کنیزوں کو نظرانداز کردے۔ تعجب کی بات ہے کہ جو مفسرین یہاں آیت کے معنی چہرہ چھپانے کے لیتے ہیں، وہ وہی ہیں جو سورۂ نور کی تفسیر میں پوری صراحت کے ساتھ کہتے ہیں کہ چہرے اور دونوں ہاتھوں کو ڈھانپنا ضروری نہیں، کیونکہ اس میں حرج اور تنگی ہے۔ جیسا کہ زمخشری اور فخرالدین رازی وغیرہ نے کہا ہے۔ اب کیا بات ہوئی کہ ان مفسرین نے اپنے قول کے تناقض کو محسوس نہیں کیا۔ یہ مفسرین سورۂ نور کی آیت کے منسوخ ہونے کے بھی قائل نہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ان مفسرین کے نزدیک سورۂ نور کی آیت اور سورۂ احزاب کی آیت کے درمیان کوئی تناقض نہیں تھا۔ ان کے خیال میں سورۂ نور میں ایک عام اور دائمی حکم دیا گیا تھا خواہ کوئی مزاحمت موجود ہو یا نہ ہو لیکن سورۂ احزاب کی آیت اس موقع کے لیے ہے جب کسی آزاد عورت یا مطلقاً کسی عورت کو آوارہ گرد افراد کی طرف سے مزاحمت کا سامنا ہو۔

زیر بحث آیت سے ہمیں ایک نکتہ یہ بھی ملتا ہے کہ وہ لوگ جو گلی کوچوں میں خواتین کو پریشان کرتے ہیں قانون اسلام کی رو سے شدید سزا کے مستحق ہیں۔ صرف ہٹانے لے جانا یا سر کے بال مونڈ دینا ان کے لیے کافی نہیں ہے۔ قرآن مجید کہتا ہے: لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَآ اِلَّا قَلِيْلًا یعنی اگر یہ لوگ اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے تو ہم آپ کو ان پر حملہ کرنے کا حکم دیں گے اور سوائے چند ایک کے کوئی آپ کی پناہ میں نہیں ہوگا۔ کم سے کم جو بات اس آیت سے ظاہر ہوتی ہے وہ پاکیزہ اسلامی معاشرے سے ان افراد کی دوری ہے۔ معاشرہ آبرومندی کو جتنا اچھا سمجھتا ہے اتنا ہی آبرو باختگی کو برا جانتا ہے۔

پردے کے حدود

تبصرہ: اب ہم فقہی نقطۂ نظر سے تمام موافق و مخالف دلائل کو سامنے رکھ کر ان حدود کے بارے میں تبصرہ کرنا چاہتے ہیں جنہیں اسلام نے پردے کے لیے معین کیا ہے۔

ہم ایک بار پھر واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ ہماری بحث صرف علمی بحث ہے۔ اس کی حیثیت کسی فتوے کی نہیں۔ بندہ صرف اپنا نقطۂ نظر بیان کرتا ہے۔ آپ میں سے ہر شخص کو چاہیے کہ عملاً انہی مجتہد کے فتوے پر عمل کرے جن کی آپ تقلید کرتے ہیں۔

سب سے پہلے یہ ضروری ہے کہ ہم ان مفاہیم کو پیش کریں جو اسلامی فقہ کی رو سے قطعی اور مسلم ہیں اور اس کے بعد ان مطالب کی طرف آئیں جو اختلافی اور قابل بحث ہیں۔

① فقہ اسلامی کی رو سے عورت پر واجب ہے کہ چہرے اور ہاتھوں کے سوا اپنا سارا جسم چھپائے اور اس بارے میں کسی طرح کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ یہ بات ضروریات اور مسلمات میں سے ہے اور اس بارے میں قرآن و حدیث اور مذہبی فتاویٰ کی رو سے کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ جو بات زیر بحث ہے وہ چہرے اور کلائیوں تک ہاتھوں کا چھپانا ہے۔

② پردے کے وجوب اور عورت پر حرمت نگاہ کے مسئلے کو ایک دوسرے سے جدا رکھنا ضروری ہے۔ ممکن ہے کوئی چہرے اور ہتھیلیوں کو چھپانے کے وجوب کا قائل ہو اور ساتھ ہی مرد کے لیے حرمت نگاہ کا بھی معتقد ہو۔ یہ بات پیش نظر نہیں ہونی چاہیے کہ ان دونوں مسئلوں میں کوئی ربط ہے۔ جیسا کہ فقہی اعتبار سے یہ بات مسلم ہے کہ مرد پر واجب نہیں ہے کہ وہ اپنا سر ڈھانپے مگر یہ بات عورت کے لیے اس امر کی دلیل نہیں بن سکتی کہ اس کے لیے مرد کے سر اور بدن پر نگاہ ڈالنا جائز ہے۔

جی ہاں! اگر ہم نگاہ ڈالنے کے مسئلے میں جواز کے قائل ہوں تو پردے کے مسئلے میں بھی ہمیں عدم وجوب کا قائل ہونا پڑے گا کیونکہ یہ بات دور از فہم ہے کہ عورت کے چہرے اور ہاتھوں پر مرد کی نگاہ جائز ہو مگر ان حصوں کا کھلا رکھنا عورت پر حرام ہو۔ یہ بات ہم بعد میں نقل کریں گے کہ گزشتہ ادوار میں صاحبان فتویٰ کے درمیان ایسا کوئی شخص دکھائی نہیں دیتا جو

چہرے اور کلائیوں تک ہاتھوں کو چھپانے کے وجوب کا قائل ہو لیکن ہیں ایسے لوگ کہ جو ان پر نگاہ ڈالنے کو حرام جانتے ہیں۔

(۴) یہاں تک جواز نظر کے مسئلے کا تعلق ہے، اسمیں کوئی شک نہیں کہ از روئے تلذذ یا ریبہ دیکھنا حرام ہے۔ تلذذ کے معنی ہیں لذت حاصل کرنا، مزہ لینا۔ نگاہ از روئے تلذذ کے معنی ہوئے لذت حاصل کرنے کے لیے دیکھنا۔ ریبہ کا مطلب یہ ہے کہ دیکھنے کا مقصد لذت حاصل کرنا تو نہیں لیکن دیکھنے والے اور جس کو دیکھا جا رہا ہے انکی ہیئت اور حالت ایسی ہے کہ ڈر ہے کہ کہیں اس دیکھنے کے نتیجے میں کوئی لغزش نہ ہو جائے۔

یہ دو طرح کی (ریبہ اور تلذذ کی) نگاہیں مطلقاً حرام ہیں حتیٰ کہ محرموں کے باب میں بھی۔ البتہ ایک موقع کے لیے استثنا ہے۔ یعنی رشتہ طے کرنے کے لیے۔ یہاں اگر تلذذ بھی پایا جائے تو جائز ہے لیکن شرط یہ ہے کہ واقعی گھر بسانا مقصود ہو۔ یعنی مرد حقیقتاً شادی کی خاطر لڑکی کو دیکھے اور دیگر تمام پسندیدہ خصوصیات کے اعتبار سے وہ اس کا انتخاب کر چکا ہو، نہ یہ کہ شادی کا بہانہ بنا کر دل بہلائے۔ الٰہی قانون بشری قانون کی طرح نہیں ہے کہ حیلے سے خود کو مطمئن کر لیا جائے۔ یہاں انسان کا ضمیر حاکم اور خداوند عالم محاسب ہے کہ جس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں لہٰذا یہ کہنا پڑے گا کہ حقیقتاً یہاں کوئی استثناء نہیں کیونکہ جو چیز مطلقاً حرام ہے وہ لذت کی نیت سے دیکھنا ہے اور جس بات میں کوئی دھڑکا نہیں وہ بلا لذت دیکھنا ہے، مگر یہ کہ لذت بلا ارادہ پیدا ہو جائے۔

فقہاء نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ کسی لڑکی کے انتخاب کے لیے لڑکیوں کے جمگھٹے کو دیکھنا جائز نہیں ہے۔ جو بات جائز ہے وہ صرف مرد کا ایسی لڑکی کو دیکھنا ہے جس کو اس کے لیے منتخب کیا گیا ہو اور وہ اس کے بارے میں فکرمند ہو اور اسے اس کے چہرے اور وضع قطع کے علاوہ کسی چیز میں تردد نہ ہو۔ بس یہ دیکھنا چاہتا ہو کہ آیا چہرے کے اعتبار سے وہ اس کی خواہش کے مطابق ہے یا نہیں؟ بعض دیگر فقہاء نے اس موضوع کو بڑی احتیاط سے بیان کیا ہے۔

پردے کے لازمی حدود کو بیان کرنے کے بعد اب ہم چہرے اور ہاتھوں (وجہ وکفین) کے بارے میں چند امور بیان کرتے ہیں:

اس سوال کے جواب سے کہ کیا چہرے اور ہاتھوں کا چھپانا واجب ہے یا نہیں، دو بالکل مختلف نقطہ ہائے نظر سامنے آتے ہیں۔ اگر ہم چہرے اور ہاتھوں کو ڈھانپنا ضروری سمجھتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم عورت کی پردہ نشینی کے فلسفے اور اس کے بجز گھر کے ماحول یا سو فیصد زنانہ ماحول کے ہر قسم کے کاموں میں حصہ لینے کی ممانعت کے قائل ہیں۔

لیکن اگر ہم باقی تمام بدن کو ڈھانپنا ضروری سمجھتے ہیں اور ہر قسم کے جذبات برانگیختہ کرنیوالے عمل کو بھی حرام سمجھتے ہیں اور مردوں کیلئے عورتوں کو لذت و ریبہ کی نظر سے دیکھنے کو بھی ناجائز سمجھتے ہیں لیکن صرف چہرے کی گولائی اور کلائیوں تک ہاتھوں کو ڈھانپنا ضروری نہیں سمجھتے اور وہ بھی اس شرط کے ساتھ کہ ہاتھ اور چہرہ ہر نوع کی جالب توجہ اور محرک جذبات آرائش سے خالی ہوں تو اس صورت میں ہم بالکل دوسرے فلسفے کے طرفدار ہیں اور وہ فلسفہ یہ ہے کہ اسکی قطعاً ضرورت نہیں کہ عورت کو گھر کے اندر دھکیل کر پردے میں بٹھا دیا جائے بلکہ اتنا خیال رکھا جائے کہ ہر قسم کی جنسی لذت صرف گھر کے اندر کے ماحول سے مخصوص رہے اور باہر کا معاشرتی ماحول بالکل پاک صاف رکھا جائے اور کسی قسم کی شہوت رانی خواہ اسکا تعلق آنکھوں سے ہو یا چھونے سے ہو یا کانوں سے ہو، میاں بیوی کے دائرے سے باہر نہ ہو۔ اس فلسفہ کے تحت عورت ہر طرح کا معاشرتی کاروبار سنبھال سکتی ہے۔ البتہ اس میں چند نکات قابلِ ذکر ہیں:

۱ — ہم فی الحال اس بحث میں نہیں پڑتے کہ عورت کا اولین فرض گھرداری ہے یا نہیں؟ ہاں۔ میں ذاتی طور پر اس بات کا حامی ہوں کہ عورت کا اولین فرض گھرداری اور بچوں کی تربیت ہے۔

۲ — بعض ایسے عہدے ہیں جن کے بارے میں گفتگو ایک جداگانہ صورت رکھتی ہے کہ کیا عورت قانون اسلام کی رو سے ان پر فائز ہو سکتی ہے یا نہیں؟ مثلاً سیاسی وعدالتی عہدے اور دینی زعامت و مرجعیت وغیرہ۔ آگے چل کر ہم ان کے بارے میں الگ الگ بحث کریں گے۔

۳۔۔۔ اجنبی مرد کے ساتھ خلوت اشکال سے خالی نہیں اور شاید اکثر علماء کے نزدیک یہ عمل حرام ہو۔ فی الحال ہم اس طرح کے اجتماعی امور پر بھی گفتگو کرنا نہیں چاہتے۔

۴۔۔۔ اسلام کی رو سے مرد گھر کا سرپرست ہے اور عورت گھر گرہستی کا ایک حصہ ہے۔ اس بنا پر خانگی مصلحتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے مرد اس بات کا حق رکھتا ہے کہ وہ عورت کو کسی کام کے انجام دینے سے منع کردے۔

ہمارے کہنے کا مطلب ہے کہ اگر چہرہ اور دونوں کلائیوں تک ہاتھوں کا چھپانا واجب ہو اور خاص طور پر چہرے کا چھپانا تو از خود عورت کی فعالیت اپنے گھر اور عورتوں سے متعلق خصوصی اجتماعات تک محدود ہو جائے گی لیکن اگر چہرے کی چوگردی کا ڈھکنا واجب نہ ہو تو یہ محدودیت اور پابندی خود بخود لازم نہیں آئیگی اور اگر اتفاقاً کوئی محدودیت پیدا ہو جائے تو وہ خاص استثنائی ہوگی۔

بہرحال چہرے کی گولائی کو چھپانا ضروری نہ ہونے سے متعدد کاموں سے متعلق شرعی حکم سے معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ جائز ہے یا ناجائز۔ بہتیرے کام ایسے ہیں جو فقہی اور شرعی نقطہ نظر سے بالذات تو حرام نہیں لیکن اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ چہرے اور ہاتھوں کا ڈھکنا عورت کے لیے ضروری ہے تو وہ بالواسطہ طور پر عورت کے لیے حرام ہو جائیں گے۔ یعنی اس وجہ سے حرام ہو جائیں گے کہ ان کے لیے چہرے اور ہاتھوں کو کھلا رکھنا ضروری ہے۔ اس طرح ان کا جواز یا عدم جواز اس پر موقوف ہے کہ عورت کے لیے چہرے اور ہاتھوں کا چھپانا واجب ہے یا نہیں۔ ہم اس سے متعلق چند باتیں ذیل میں ذکر کرتے ہیں:

۱۔ کیا عورت کے لیے کار چلانا جائز ہے؟

ہمیں معلوم ہے کہ ڈرائیونگ کے بارے میں کوئی مخصوص حکم موجود نہیں دیکھنا یہ ہے کہ عورت اپنے اوپر واجب احکام کی پابندی کرتی ہے یا نہیں؟ اگر چہرے اور کلائیوں تک دونوں ہاتھوں کا چھپانا واجب ہو تو یہ کہنا پڑے گا کہ عورت کے لیے کار چلانا جائز نہیں۔

۲۔ کیا گھر سے باہر اشیائے صرف کی فروخت عورت کے لیے جائز ہے؟

البتہ یہاں اس فروخت کی گفتگو نہیں ہے جو فی زمانہ رائج ہے اور جو سراسر دھوکا اور فریب ہے۔

۳۔ کیا عورت کے لیے دفتری امور جائز ہیں یا نہیں؟

۴ــــ کیا عورت کو تدریس کا حق حاصل ہے خواہ اس کے مختصر درس میں مرد بھی شامل ہوں؟ اسی طرح کیا اسے مرد اساتذہ سے تعلیم حاصل کرنے کا حق حاصل ہے یا نہیں؟

اگر ہم یہ کہیں کہ چہرے اور کلائیوں تک دونوں ہاتھوں کا چھپانا ضروری نہیں اور مرد بھی بغیر لذت کے عورت کے چہرے اور ہاتھوں کو دیکھ سکتے ہیں تو اس صورت میں مذکورہ امور کے بارے میں ہمارا جواب مثبت ہوگا بصورت دیگر منفی۔

مختصر یہ کہ چہرہ اور دونوں ہاتھ عورت کی پابندی اور آزادی کی سرحد ہیں۔ پردے کے بارے میں مخالفین کے اعتراضات بھی اسی نکتے سے متعلق ہیں جبکہ ہم چہرے اور کلائیوں تک ہاتھوں کا پردہ ضروری جانیں لیکن اگر ہم چہرے اور کلائیوں تک ہاتھوں کے چھپانے کو واجب نہ جانیں تو پھر باقی بدن کے چھپانے پر کوئی اعتراض عائد نہیں ہوگا بلکہ اس کے برعکس مخالفین بےپردہ پر اعتراض ہوگا۔

اگر عورت بیمار نہ ہو اور وہ عریاں حالت میں باہر نہ آنا چاہے تو ایک ایسا سادہ لباس جو اس کے چہرے اور کلائیوں تک دونوں ہاتھوں کے سوا تمام سر، گردن اور بدن کو ڈھانپ لے اسے کسی بیرونی کام کی انجام دہی سے نہیں روکتا بلکہ اس کے برعکس میک اپ اور گیٹ اپ یعنی مصنوعی سنگھار اور نئے فیشن کے عجیب لباس عورت کو ایک فضول اور غیر فعال جسم میں بدل دیتے ہیں اور اس کا تمام وقت اپنی آرائش کے تحفظ میں گزر جاتا ہے۔

جیسا کہ گزشتہ اوراق میں ہم نے قدیم مفسرین کی آراء بیان کی ہیں، اسی طرح ہم اس بات کی بھی وضاحت کریں گے کہ پردے میں چہرے اور کلائیوں تک دونوں ہاتھوں کا استثنا اس لیے ہے کہ عورت معاشرے میں انسانی حیثیت سے سرگرم عمل رہ سکے اور اس بنیاد پر اسلام نے ان کا چھپانا واجب قرار نہیں دیا ہے۔ اب ہم اس مسئلے میں موافق اور مخالف دلائل کو تحقیق کی منزل پر لاتے ہیں۔

موافق دلائل

مندرجہ ذیل موافق دلائل کی رو سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ چہرے اور کلائیوں تک دونوں ہاتھ چھپانا واجب نہیں ہے:

① پردے کے متعلق سورۂ نور کی اکتیسویں آیت جو پردے کے حدود بتاتی ہے کہیں بھی چہرے اور کلائیوں تک دونوں ہاتھ چھپانے کو واجب نہیں بتاتی۔ اس آیت کے دو جملوں کو بطور سند پیش کیا جا سکتا ہے۔ ایک وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَھُنَّ اِلَّا مَا ظَھَرَ مِنْھَا کا اور دوسرے وَلْیَضْرِبْنَ بِخُمُرِھِنَّ عَلٰی جُیُوْبِھِنَّ کا جملہ۔

پہلے جملے کے بارے میں ہم کہہ چکے ہیں کہ اکثر مفسرین نے اور بالعموم روایات نے مہندی، سرمہ، انگوٹھی اور کنگن وغیرہ کو الا ما ظھر کا استثنائی مصداق جانا ہے۔ یہ وہ سنگھار ہیں جو چہرے اور کلائیوں تک ہاتھوں سے متعلق ہیں۔ مہندی، انگوٹھی اور کنگن ہاتھوں کی زینت ہیں جبکہ سرمے کا تعلق آنکھوں اور چہرے سے ہے۔ جو لوگ چہرہ اور ہاتھ کو ڈھکنے کو واجب قرار دیتے ہیں، ان کے خیال کی رو سے اِلَّا مَا ظَھَرَ مِنْھَا سے مراد اوپری لباس ہی ہو سکتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ استثناء سے اوپری لباس مراد لینا بہت دور از کار اور قرآن کی بلاغت کے خلاف ہے۔ بالائی یا اوپری لباس کو چھپانا غیر ممکن ہونے کے سبب استثنا اس پر صادق نہیں آتا۔ اس کے علاوہ لباس کو اسی وقت زینت میں شمار کیا جا سکتا ہے جب بدن کا کوئی حصہ نمایاں ہو۔ مثلاً پردے سے بے نیاز عورتوں کے لیے یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان کا لباس ان کی زینتوں میں سے ایک زینت ہے لیکن اگر عورت اوپر سے نیچے تک تمام بدن کو ایک ہی لباس سے ڈھانکے ہوتے ہو تو اسے زینت نہیں کہا جا سکتا۔

مختصر یہ کہ اس سے کوئی انکار نہیں ہو سکتا کہ یہ آیت بدن کی زینت کے ایک حصے کو مستثنیٰ قرار دیتی ہے اور روایات کی صراحت بھی ہرگز قابل تردید نہیں ہے۔

دوسرے جملے کے بارے میں کہنا پڑے گا کہ آیت سینہ کو چھپانے کے وجوب پر دلالت کرتی ہے اور چونکہ اس مقام پر حدود کے تعین کی گفتگو ہے لہٰذا اگر چہرے کا چھپانا ضروری ہوتا تو اس منزل پر اس کا تذکرہ بھی ضرور آتا۔

غور فرمائیے کہ لفظ خمار (اوڑھنی) بنیادی طور پر سر کو ڈھانکنے کے لیے وضع ہوا ہے۔ آیت میں اس لفظ کا استعمال یہ بتاتا ہے کہ عورت کے لیے اوڑھنی اوڑھنا ضروری ہے اور ظاہر ہے کہ اوڑھنی سر کے لیے ہوا کرتی ہے۔ ہاں البتہ یہ اور بات ہے کہ اوڑھنی سے سر کے علاوہ بھی دوسرے

حصوں کو ڈھانکنا ضروری ہے۔ یہ بتانا پڑے گا کہ چونکہ آیت میں اوڑھنی کے دونوں سروں کو گریبان پر ڈالنے کی گفتگو ہے لہٰذا پردے کی بس یہی مقدار ہمارے لیے واجب ہوگی۔

ممکن ہے کہ ذہن میں یہ خیال پیدا ہو کہ وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوبِهِنَّ کے معنی یہ ہیں کہ اوڑھنی کو چہرے کے سامنے سے ایک پردہ کی صورت میں سینے تک آویزاں کیا جائے۔

لیکن آیت کا یہ مفہوم کسی طرح بھی درست نہ ہوگا کیونکہ اوّلاً یہاں لفظ جلباب نہیں بلکہ خمار استعمال ہوا ہے۔ خمار چھوٹی چادر یا دوپٹے کو کہتے ہیں جبکہ جلباب بڑی چادر کو کہا جاتا ہے اور چھوٹی اوڑھنی کو اس طرح استعمال نہیں کیا جاسکتا کہ اس سے تمام بال جو اس زمانے میں یقیناً بڑے ہوا کرتے تھے پوری طرح چھپ جائیں اور باقی حصہ اس طرح اوڑھا جائے کہ اس سے گریبان اور سینہ چھپ جائیں۔

ثانیاً یہ کہ آیت کہتی ہے کہ اپنی اسی اوڑھنی سے یہ عمل انجام دو۔ ظاہر ہے کہ اگر وہ اسی طرح اوڑھنیوں کو اپنے چہرے کے سامنے ڈالیں تو انہیں اپنے پیر کے سامنے کی چیز دکھائی نہیں دے گی اور ان کے لیے چلنا پھرنا دشوار ہو جائے گا۔ ان دنوں جارجیٹ کا وجود نہیں تھا جو اس کام کے لیے مفید ہوتا۔ اگر مقصد یہ ہوتا کہ حتمی طور پر مقنع چہرے کے سامنے لٹکائے جائیں تو کہا جاتا کہ ایسے مقنع بناؤ جو چہرے کا نقاب بھی ہوں اور اس سے تمہیں چلنے میں بھی آسانی ہو۔

ثالثاً یہ کہ جب فعل ضَرَبَ کا صلہ عَلٰی آئے تو اسکے معنی لٹکانے کے نہیں ہوتے جیسا کہ ہم نے پہلے کہا ہے اور عربی لغت اور ادب کے اہل فن کی رائے نقل کی ہے، ضَرَبَ کی عَلٰی کے ساتھ ترکیب سے صرف یہ معنی نکلتے ہیں کہ فلاں چیز کو فلاں چیز پر ایک روک کی طرح لگا دیا یعنی رکاوٹ پیدا کر دی مثلاً فَضَرَبْنَا عَلٰی آذَانِهِمْ کے معنی یہ ہیں کہ انکے کانوں کے سامنے کوئی چیز حائل کر دی، کوئی رکاوٹ پیدا کر دی۔ اس بنا پر وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰی جُيُوبِهِنَّ کا مفہوم یہ ہے کہ اپنے دوپٹوں سے سینے اور گریبان پر ایک رکاوٹ پیدا کر دو۔ یہاں ستر کی حدود بیان کر دی گئی ہیں۔ گریبان اور سینے کے سامنے رکاوٹ پیدا کرنے کے لیے کہا گیا ہے۔ یہ نہیں کہا گیا کہ چہرے کے سامنے بھی کوئی روک لگاؤ۔ معلوم ہوا کہ چہرے کے سامنے رکاوٹ پیدا کرنا واجب نہیں ہے۔

یہاں ایک اور نکتے کا اضافہ ضروری ہے اور وہ یہ کہ اس آیت کے نزول سے پہلے مسلمان عورتیں کس طرح اپنے دوپٹوں کو استعمال کرتی تھیں؟

تاریخی اعتبار سے یہ بات مانی ہوئی ہے کہ پردے کی آیت نازل ہونے سے پہلے مسلمان

عورتیں عرب کے قدیم رواج کے مطابق اپنا چہرہ کھلا رکھتی تھیں اور جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ وہ دوپٹہ سر پر ڈال کر اس کے دونوں کنارے کانوں کے عقب سے اپنی پشت کی طرف ڈالا کرتی تھیں جس کے نتیجے میں ان کے کان، گوشوارے، چہرہ، گردن اور گریبان سب کھلے رہتے تھے ایسی حالت میں یہ حکم دیا گیا کہ اپنے سر کی چادر یا دوپٹے کے سروں کو اپنے سینوں پر لائیں تو اس حکم کا مطلب یہ ہے کہ دونوں سروں کو الٹی سیدھی جانب سے مخالف سمتوں میں سینوں پر ڈالا جائے۔ اس حکم پر عمل کرنے سے کان، بندے، گردن اور سینہ چھپ جاتے ہیں اور چہرہ کھلا رہ جاتا ہے۔

ہماری نظر میں زیر بحث آیت اسی مفہوم کو پیش کرتی ہے اور اس میں کوئی شک نہیں اور جب ہم اس بات کی طرف توجہ دیں کہ آیت پردے کے حدود سے متعلق ہے اور ماہرین علم اصول کی اصطلاح میں بیان کی منزل میں اجمال جائز نہیں تو یہ بات واضح طور پر سمجھ میں آتی ہے کہ چہرہ چھپانا واجب نہیں ہے۔

(۲) بہت سے مقامات پر جہاں براہ راست پردے یا نگاہ کے جواز اور عدم جواز کی گفتگو ہے ہم دیکھتے ہیں کہ سائلین اور پیشوایان دین کے درمیان صرف بالوں ہی کا مسئلہ زیر بحث آتا ہے اور چہرے کے متعلق کوئی گفتگو نہیں ہوتی۔ گویا چہرہ اور کلائیوں تک دونوں ہاتھ پردے کے حدود سے مستثنیٰ ہیں۔ ذیل میں ہم اس سے متعلق چند نمونے پیش کرتے ہیں:

۱۔ سالی کے باب میں

صَحِیْحُ الْبِزَنْطِیْ عَنِ الرِّضَا (ع) قَالَ: سَئَلْتُهُ عَنِ الرَّجُلِ یَحِلُّ لَهُ اَنْ یَّنْظُرَ اِلٰی شَعْرِ اُخْتِ امْرَاَتِهٖ؟ فَقَالَ: لَا اِلَّا اَنْ تَکُوْنَ مِنَ الْقَوَاعِدِ قُلْتُ لَهُ: اُخْتُ امْرَاَتِهٖ وَالْغَرِیْبَةُ سَوَآءٌ قَالَ: نَعَمْ، فَمَالِیْ مِنَ النَّظَرِ اِلَیْهِ مِنْهَا؟ فَقَالَ شَعْرُهَا وَذِرَاعُهَا۔

امام رضا علیہ السلام کے عالی قدر صحابی احمد بن ابی نصر بزنطی فرماتے ہیں کہ میں نے امام رضا علیہ السلام سے پوچھا کہ کیا مرد کے لیے یہ جائز ہے کہ اپنی سالی کے بالوں پر نگاہ ڈالے؟ آپ نے فرمایا: نہیں مگر یہ کہ وہ سن رسیدہ ہو۔ میں نے عرض کیا: پھر سالی اور غیر عورت اس مسئلے میں ایک

ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! میں نے پوچھا: میں اس (سن رسیدہ) عورت کو کن حدود میں دیکھ سکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا: تم اسکے بالوں اور کلائی تک ہاتھوں کو دیکھ سکتے ہو۔ (وسائل جلد ۳ صفحہ ۲۵)

ملاحظہ فرمائیے کہ اس روایت کے پہلے سوال اور امام علیہ السلام کے آخری جواب میں جو چیز مشترک ہے وہ بال ہیں، چہرہ نہیں۔ اس سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ چہرے کا مستثنیٰ ہونا دونوں کے نزدیک غیر متنازعہ رہا ہے اور ہرگز یہ احتمال پیدا نہیں ہوتا کہ مثلاً سن رسیدہ عورتوں کے باب میں آپ ان کے بالوں اور انگلیوں سے کلائی تک کے حصے کو دیکھ سکتے ہیں لیکن چہرے کو نہیں دیکھ سکتے، حالانکہ حدود نگاہ کے جواب میں چہرے کا تذکرہ نہیں ہوا ہے۔

ب۔ کمسن کے باب میں

اَیضًا صَحِیحُ البِزَنطِی عَنِ الرِّضَا (ع) قَالَ: یُؤخَذُ الغُلَامُ بِالصَّلٰوۃِ وَھُوَابنُ سَبعِ سِنِینَ وَلَاتُغَطِّی المَرْئَۃُ مِنہُ شَعرَھَاحَتّٰی تَحتَلِمَ۔

امام رضا علیہ السلام نے احمد بن ابی نصر بزنطی سے فرمایا: جب لڑکا سات سال کا ہو جائے تو اسے نماز پڑھنے کی ترغیب دو لیکن عورت پر لازم نہیں ہے کہ اس لڑکے کے سن بلوغ کو پہنچنے سے پہلے اس سے اپنے بال چھپائے۔ (وسائل جلد ۳ صفحہ ۲۹)

گویا نماز کی ترغیب دینا عادت ڈالنے کے لیے ہے ورنہ سات سال کا لڑکا جوان مرد کا حکم نہیں رکھتا۔ یہاں بھی بالوں کو چھپانے کا مسئلہ درپیش ہے چہرے کا نہیں۔ اسی مضمون سے متعلق دیگر روایتیں کثرت سے کتب حدیث میں موجود ہیں۔

ممکن ہے کہ یہ کہا جائے کہ بالوں کو بطور مثال پیش کیا گیا ہے کیونکہ یہاں بدن کا تذکرہ نہیں آیا ہے حالانکہ ہمیں معلوم ہے کہ بدن کا چھپانا بھی واجب ہے۔ اس بنا پر ممکن ہے کہ چہرے کا چھپانا بھی واجب ہو اور اس کا تذکرہ نہ کیا گیا ہو۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر چہرے کا چھپانا واجب ہوتا تو مناسب ہوتا کہ اسے بطور مثال پیش کیا جاتا کیونکہ ہمارے یہاں پردہ چہرہ ڈھانپنے سے عبارت ہے اور اس کا راز یہ ہے کہ کام کرنے میں جس حصے کے کھلنے کے زیادہ امکانات ہو سکتے ہیں وہ چہرہ ہے اور جب اسکے

چھپانے کی بات کی جائے تو پھر دوسرے حصوں کے چھپانے کا وجوب بدرجہ اولیٰ سمجھا جاسکتا ہے لیکن بدن کے دوسرے حصوں کا چھپانا عملاً موردِ بحث نہیں رہا ہے اور اس کے جواز میں کوئی شک نہیں پایا جاتا تھا کہ اس کے بارے میں سوال کیا جاتا۔

ج ۔ باندی غلاموں کے باب میں

لَا بَأْسَ اَنْ يَّرَى الْمَمْلُوْكُ الشَّعْرَ وَالسَّاقَ

یعنی غلام کے لیے اپنی مالکن کے بالوں اور پیروں پر نگاہ ڈالنا جائز ہے۔

(وسائل جلد ۳ صفحہ ۲۹ اور کافی جلد ۵ صفحہ ۵۳۱)

ایک اور روایت میں خواجہ سراؤں کے بارے میں (جو ممکن ہے مملوک بھی نہ ہوں) سوال ہوا ہے:

مُحَمَّدُ بْنُ اِسْمَاعِيْلَ بْنُ بُزَيْعٍ قَالَ سَاَلْتُ اَبَا الْحَسَنِ الرِّضَا (ع) عَنْ قِنَاعِ الْحَرَائِرِ مِنَ الْخُصْيَانِ ۔ فَقَالَ كَانُوْا يَدْخُلُوْنَ عَلٰى بَنَاتِ اَبِى الْحَسَنِ (ع) وَلَا يَتَقَنَّعْنَ قُلْتُ وَكَانُوْا اَحْرَارًا؟ قَالَ لَا قُلْتُ فَالْاَحْرَارُ يُتَقَنَّعُ مِنْهُمْ قَالَ لَا۔

امام رضا علیہ السلام کے ایک عالی مرتبت صحابی محمد بن اسماعیل بن بزیع فرماتے ہیں: میں نے امام رضا علیہ السلام سے پوچھا کہ کیا آزاد عورتیں خواجہ سراؤں کے سامنے سر ڈھکے رکھیں؟ (کنیزوں کے بارے میں معلوم ہے کہ ان کے لیے سر ڈھانکنا ضروری نہیں ہے لہٰذا اس سوال کو آزاد عورتوں سے مختص کیا گیا ہے)۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: نہیں! خواجہ سرا میری بہنوں کے سامنے جاتے تھے اور وہ سر نہیں ڈھکتی تھیں۔ میں نے پوچھا: خواجہ سرا آزاد تھے یا غلام؟ آپ نے فرمایا: آزاد نہیں تھے۔ میں نے عرض کیا: اگر یہ آزاد ہوں تو کیا ان کے سامنے سر ڈھانکنا ضروری ہے؟ فرمایا: نہیں۔ (وسائل جلد ۳ صفحہ ۲۹)

تفسیرِ آیات میں ہم یہ گفتگو کر چکے ہیں کہ خُنثیٰ اور غلام عورت کے لیے محرم ہیں یا نامحرم؟ اکثر فقہا کہتے ہیں کہ محرم نہیں ہیں لیکن بہرحال یہ اور اس سلسلے کی دیگر تمام روایات باہمی

اختلاف کے باوجود جو اصول کافی، وسائل الشیعہ اور دیگر کتب حدیث میں درج ہیں پردے میں چہرے کو نہ چھپانے کے جواب میں مشکوک نہیں ہیں۔

د۔ ذمّی عورتوں کے باب میں[1]

اَلسَّکُوْنِیُّ عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰهِ عَلَیْهِ السَّلَامُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ اٰلِهٖ وَسَلَّمَ لَا حُرْمَةَ لِنِسَآءِ اَهْلِ الذِّمَّةِ اَنْ یُّنْظَرَ اِلٰی شُعُوْرِهِنَّ وَ اَیْدِیْهِنَّ[2]

سکونی اہل سنت کے عالم ہیں۔ انھوں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے بہت سی روایتیں نقل کی ہیں اور شیعہ علماء کے نزدیک قابل اعتماد ہیں۔ وہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ذمی عورتوں کے بالوں اور ہاتھوں کو دیکھنا حرام نہیں ہے۔

اَبُو الْبَخْتَرِیُّ عَنْ جَعْفَرٍ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْطَالِبٍ (ع) لَا بَاْسَ بِالنَّظَرِ اِلٰی رُءُوْسِ النِّسَآءِ مِنْ اَهْلِ الذِّمَّةِ۔[3]

امیر المومنین امام علی علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں: ذمی عورتوں کے سروں کی طرف دیکھنا جائز ہے۔

فقہا اور مجتہدین اس بات پر متفق ہیں کہ اہل کتاب عورتوں کو دیکھنا جائز ہے۔

البتہ فقہاء کے ایک گروہ نے اس میں ایک قید لگائی ہے اور وہ یہ ہے کہ صرف اس حد تک اکتفا کرنا چاہیے جس حد تک پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں معمول رہا ہے۔ یعنی یہ دیکھنا ہوگا کہ اس زمانے میں کن مقامات کو کھلا رکھا جاتا تھا۔ بس اسی حد تک

---

[1] ذمی ان غیر مسلموں کو کہا جاتا ہے جو قدیم آسمانی مذاہب کے پیرو اور اسلامی حکومت کی پناہ میں معاہدے کے تحت رہتے ہیں۔

[2] و [3] وسائل جلد ۳ صفحہ ۲۶۔

دیکھنا جائز ہے جو شہوت اور لذت کے لیے نہ ہو لیکن آجکل عریانی جس حد تک پہنچ گئی ہے اسے دیکھنا جائز نہیں ہے۔

لیکن بعض دیگر فقہاء کا موقف یہ ہے کہ بدن کے جن حصوں کو وہ مجمع عام میں کھلا رکھتی ہیں ان کو دیکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اگرچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں یہ کیفیت نہیں تھی۔

۵۔ صحرائی یا دیہاتی عورتوں کے باب میں

عَبَّادُ بْنُ صُهَيْبٍ: سَمِعْتُ اَبَا عَبْدِ اللهِ (ع) يَقُوْلُ لَا بَاْسَ بِالنَّظَرِ اِلٰى رُؤُوْسِ نِسَاۤءِ اَهْلِ تِهَامَةَ وَالْاَعْرَابِ وَاَهْلِ السَّوَادِ وَالْعُلُوْجِ لِاَنَّهُمْ اِذَا نُهُوْا لَا يَنْتَهُوْنَ۔ (وسائل جلد ۳ صفحہ ۲۶)

عباد بن صہیب، امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ صحرائی، دیہاتی[۱] اور غیر مسلم عورتوں کے سروں کو دیکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے اس لیے کہ انھیں کتنا بھی منع کیا جائے وہ اس سے باز نہیں آتیں۔

بعض فقہاء نے اس روایت کی بنیاد پر فتوے صادر کیے ہیں[۲] مرحوم آیت اللہ سید عبد الہادی شیرازی سے نقل ہوا ہے کہ انھوں نے اس حکم کو ان شہری عورتوں کے بارے میں بھی عمومیت دی ہے جن پر نصیحت کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ بعض دوسرے معاصر فقہاء اور مراجع تقلید نے بھی اسی قسم کا فتویٰ صادر کیا ہے اور وہ اس عدم قبول نصیحت کو دلیل قرار دیتے ہیں جسے مذکورہ حدیث میں پیش کیا گیا ہے۔

بیشتر فقہاء یہ فتویٰ نہیں دیتے لیکن انھوں نے ان مقامات میں آمد و رفت سے مردوں

---

[۱] حدیث میں اہل سواد کا لفظ آیا ہے اس سے مراد اطراف شہر کے کھیت کھلیان اور بستیاں ہیں یا پھر اس لیے کہ وہ مقامات دور سے سیاہ دکھائی دیتے ہیں۔ تاہم اکثر اوقات سواد سے اطراف کوفہ کے کھیت کھلیان مراد لیے جاتے ہیں۔

[۲] ملاحظہ ہو منہاج الصالحین طبع نہم، کتاب النکاح مسئلہ ۳۔

کو نہیں روکا ہے جہاں یہ عورتیں رہتی ہیں۔ اگر گزرتے ہوئے کسی پر ان کی نظر پڑ جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں لیکن دائمی طور پر اس کی تکرار بھی مناسب نہیں۔

بہرحال اس قبیل کی روایات میں ہمارا استشہاد یہ ہے کہ کسی مقام پر بھی چہرے اور کلائیوں تک دونوں ہاتھوں کا تذکرہ نہیں ہوا' اس لیے کہ ان کو نہ چھپانا راویوں کے نقطۂ نظر سے مسلّم اور شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ ہم پہلے بھی کہہ چکے ہیں کہ اس امر کا کوئی امکان نہیں ہے کہ چہرہ چھپانے کو واجب سمجھا گیا ہو اور بال چھپانے سے منع کیا گیا ہو۔

○ چہرے اور کلائی تک دونوں ہاتھوں کا کھلا رکھنا ان پر جوازِ نظر کی دلیل نہیں ہے بلکہ جوازِ نظر چہرے اور ہاتھوں کو چھپائے رکھنے کے واجب نہ ہونے پر دلیل ہے۔

ہم نے اس سے پہلے وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا کے ذیل میں بعض روایتوں کا تذکرہ کیا ہے اور اب پھر مزید چند روایتیں پیش خدمت ہیں:

ا: خَبَرُ مَسْعَدَةَ بْنُ زُرَارَةَ - قَالَ سَمِعْتُ جَعْفَرًا وَسُئِلَ عَمَّا تَظْهَرُ الْمَرْئَةُ مِنْ زِيْنَتِهَا قَالَ (ع) اَلْوَجْهُ وَالْكَفَّيْنِ۔ (قرب الاسناد صفحہ ۴۰)

مسعدہ بن زرارہ' امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کرتے ہیں کہ جب آپ سے عورت کی اس زینت کے بارے میں سوال کیا گیا جسے وہ آشکارا کر سکتی ہے تو آپ نے فرمایا: چہرہ اور کلائیوں تک دونوں ہاتھ۔

ب۔ خَبَرُ الْمُفَضَّلُ بْنُ عُمَرَ - قَالَ قُلْتُ لِاَبِيْ عَبْدِ اللّٰهِ (ع) مَا تَقُوْلُ فِي الْمَرْئَةِ تَمُوْتُ فِي السَّفَرِ مَعَ الرِّجَالِ لَيْسَ فِيْهِمْ لَهَا ذُوْ مَحْرَمٍ وَلَا مَعَهُمْ امْرَاَةٌ فَتَمُوْتُ الْمَرْاَةُ مَا يُصْنَعُ بِهَا؟ قَالَ يُغْسَلُ مِنْهَا مَا اَوْجَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ التَّيَمُّمَ وَلَا تُمَسُّ وَلَا يُكْشَفُ لَهَا شَيْءٌ مِّنْ مَحَاسِنِهَا الَّتِيْ اَمَرَ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ بِسَتْرِهَا قُلْتُ فَكَيْفَ يُصْنَعُ بِهَا؟ قَالَ يُغْسَلُ بَطْنُ كَفَّيْهَا ثُمَّ يُغْسَلُ وَجْهُهَا ثُمَّ يُغْسَلُ ظَهْرُ كَفَّيْهَا۔ (وسائل جلد ۱ صفحہ ۱۳۵)

مفضل بن عمر نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک ایسی عورت کے بارے میں

سوال کیا جو حالت سفر میں مرگئی ہو اور اسے غسل دینے کے لیے کوئی محرم مرد یا کوئی عورت موجود نہ ہو۔ امامؑ نے فرمایا: اس کے مواضع تیمّم کو غسل دینا چاہیے لیکن اس کا بدن چھوا نہ جائے اور اس کے ان محاسن کو آشکار نہ کیا جائے جن کے چھپانے کو اللہ نے واجب قرار دیا ہے۔ میں نے پوچھا: کس طرح عمل کرنا ہوگا؟ فرمایا: پہلے اس کی ہتھیلیاں دھوئی جائیں۔ پھر اس کا چہرہ اور اس کے بعد ہتھیلیوں کی پشت۔

دیکھیے یہاں بھی چہرہ اور کلائی تک دونوں ہاتھ بطور واضح ان حصوں میں شامل ہیں جن کے ڈھانکنے کو واجب قرار نہیں دیا گیا ہے۔

ج۔ عَنْ عَلِیِّ بْنِ جَعْفَرٍ عَنِ الرَّجُلِ، مَا يَصْلَحُ لَهُ اَنْ يَّنْظُرَ مِنَ الْمَرْئَةِ الَّتِیْ لَا تَحِلُّ لَهُ؟ قَالَ اَلْوَجْهُ وَالْكَفُّ وَمَوْضِعُ السِّوَارِ۔

(قرب الاسناد صفحہ ۱۰۲)

علی بن جعفرؑ امام جعفر صادق علیہ السلام کے فرزند اور جلیل القدر شخصیت ہیں۔ آپ نے اپنے بھائی امام موسٰی کاظم علیہ السلام سے پوچھا کہ کس حد میں کوئی مرد کسی نامحرم عورت کو دیکھ سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا: چہرہ اور کلائیوں تک دونوں ہاتھ اور چوڑیاں پہننے کی جگہ

د۔ عَنْ اَبِیْ جَعْفَرٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الْاَنْصَارِیِّ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ (ص) يُرِيْدُ فَاطِمَةَ (ع) وَاَنَا مَعَهُ فَلَمَّا انْتَهَيْنَا اِلَى الْبَابِ وَضَعَ يَدَهُ عَلَيْهِ فَدَفَعَهُ، ثُمَّ قَالَ: اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ۔ فَقَالَتْ فَاطِمَةُ: عَلَيْكَ السَّلَامُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ۔ قَالَ: اَ اَدْخُلُ؟ قَالَتْ اُدْخُلْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، قَالَ اَدْخُلُ اَنَا وَمَنْ مَّعِیْ؟ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَيْسَ عَلَیَّ قِنَاعٌ فَقَالَ يَا فَاطِمَةُ خُذِیْ فَضْلَ مِلْحَفَتِكِ فَقَنِّعِیْ بِهَا رَأْسَكِ۔ فَفَعَلَتْ۔ ثُمَّ قَالَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ فَقَالَتْ وَعَلَيْكَ السَّلَامُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اَنَا وَمَنْ مَّعِیْ؟ قَالَتْ وَمَنْ مَّعَكَ۔ قَالَ جَابِرٌ: فَدَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَدَخَلْتُ وَاِذَا وَجْهُ فَاطِمَةَ اَصْفَرُ كَاَنَّهُ بَطْنُ جَرَادَةٍ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ: مَالِیْ اَرٰى وَجْهَكِ اَصْفَرَ؟ قَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَلْجُوْعُ

فَقَالَ اَللّٰهُمَّ مُشْبِعَ الْجُوْعَةِ وَدَافِعَ الضَّيْعَةِ ، اَشْبِعْ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ
قَالَ جَابِرٌ فَنَظَرْتُ اِلَى الدَّمِ يَتَحَدَّرُ مِنْ قَصَاصِهَا حَتّٰى عَادَ وَجْهُهَا
اَحْمَرَ ، فَمَا جَاعَتْ بَعْدَ ذٰلِكَ الْيَوْمِ[1]

حدیث کا مضمون بطور اختصار یہ ہے: حضرت جابر بن عبداللہ انصاری کہتے ہیں کہ میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے گھر پہنچے۔ رسول اللہؐ نے باہر سے سلام کیا اور اندر آنے کی اجازت چاہی۔ جناب فاطمہؑ نے آپ کو اجازت دی۔ رسول اللہؐ نے پوچھا: کیا میں اپنے ساتھی کے ساتھ آسکتا ہوں؟ جناب فاطمہ زہراؑ نے فرمایا' باباجان میرے پاس سر ڈھانپنے کے لیے کوئی چیز نہیں ہے۔ رسول اللہؐ نے فرمایا: اپنے پہناوے کے اضافی حصوں سے اپنا سر چھپا لو۔ اس کے بعد پھر آپ نے اندر آنے کے لیے پوچھا اور اجازت ملنے پر داخل ہوئے۔ جناب فاطمہؑ کا چہرہ شکمِ ملخ کی مانند زرد تھا۔ رسول اللہؐ نے پوچھا: تمہاری یہ کیفیت کیوں ہے۔ انہوں نے فرمایا: باباجان! بھوک نے یہ حال کر دیا ہے۔ رسول اللہؐ نے دعا فرمائی کہ خداوندا میری بیٹی کو سیر فرما۔ آپ کی اس دعا سے جناب فاطمہؑ کا چہرہ گلابی ہو گیا اور ایسا محسوس ہونے لگا جیسے آپ کے چہرے میں خون نے جوش مارنا شروع کر دیا ہو اور اس کے بعد جناب فاطمہؑ کی بھوک مٹ گئی۔[2]

---

[1] کافی جلد ۵ صفحہ ۵۲۸۔ وافی جلد ۱۲ صفحہ ۱۲۴ وسائل جلد ۳ صفحہ ۲۵۔

[2] اس کتاب کے پہلے ایڈیشن کے بعد بعض حضرات نے ہم سے وضاحت چاہی کہ یہ کیونکر ممکن ہے کہ رسول اللہؐ کی بیٹی کا چہرہ بھوک سے زرد ہو۔ آخر کیوں اور کس لیے آپ بھوکی تھیں؟

میں ان حضرات کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے اپنا سوال ہمارے سامنے پیش کیا۔ جواباً عرض ہے کہ ان دنوں مسلمانوں کی زندگی مدینہ میں عسرت میں گزرتی تھی۔ پھر جنگوں نے بھی مدینہ کی معیشت کو کمزور کر دیا تھا۔ رہی سہی کسر قحط نے پوری کر دی۔ چنانچہ جس سال غزوۂ تبوک پیش آیا' اس سال بڑا سخت کال پڑا اور اسی لیے سپاہ تبوک کو جیشُ العُسرۃ کہا جاتا ہے۔ حالت یہ تھی کہ بعض اوقات اصحاب صُفّہ کے پاس نماز میں شرکت کے لیے مناسب لباس نہیں ہوتا تھا۔ ایسی صورت میں ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب فاطمہؑ کے گھر میں ایک پردہ لٹکا ہوا دیکھا۔ آپ کے چہرے پر کچھ کراہت کے آثار نمایاں ہوئے۔ جناب فاطمہؑ نے فوراً پردہ اپنے پدر بزرگوار کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے ←

یہ حدیث بڑی وضاحت سے بتاتی ہے کہ چہرہ ڈھانکنا واجب نہیں اور یہ کہ چہرے پر نظر کرنا بھی جائز ہے۔

۵۔ عَنِ الْفُضَيْلِ بْنِ يَسَارٍ۔ قَالَ سَأَلْتُ اَبَا عَبْدِ اللهِ (ع) عَنِ الذِّرَاعَيْنِ مِنَ الْمَرْئَةِ هُمَا مِنَ الزِّيْنَةِ الَّتِيْ قَالَ اللهُ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ ؟ قَالَ نَعَمْ وَمَا دُوْنَ الْخِمَارِ مِنَ الزِّيْنَةِ وَمَا دُوْنَ السِّوَارَيْنِ۔[۱]

فضیل بن یسار کہتے ہیں: میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ کیا عورت کے بازو بھی ان مقامات میں سے ہیں جنہیں غیر محرم سے چھپانا ضروری ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! چادر کے نیچے جو شے قرار پائے اسے چھپانا چاہیے اور اس میں کلائی سے اوپر کا حصہ بھی شامل ہے۔

④ وہ روایتیں جو احرام میں عورت کے چہرے کی پوشیدگی کو حرام قرار دیتی ہیں۔

یہ بات کہنا دور از عقل ہے کہ حالت احرام کے علاوہ چہرے کا کھلا رہنا محرمات میں سے ہے اور یہ کیفیت صرف حالتِ احرام میں واجب ہے۔ یہ بات قابل غور ہے کہ مناسک عمرہ یا حج میں عورت، مرد و زن کے ہجوم میں موجود ہوتی ہے اور اگر مردوں سے چہرے کا چھپانا ضروری

اس پردے کے ٹکڑے کیے اور انہیں اصحاب صُفّہ میں بانٹ دیا۔

یہ درست ہے کہ امام علی علیہ السلام ایک جفاکش انسان تھے اور سپاہیانہ خدمت کے صلے اور غنائم جنگی کے علاوہ ان کے پاس کھیتی باڑی کا شغف بھی تھا۔ کبھی کبھی دوسروں کی باغبانی سے بھی تحصیل معاش کیا کرتے تھے لیکن امام علیؑ اور جناب فاطمہؑ ایسے افراد نہیں تھے کہ خود سیر ہوں اور اطراف کے لوگ بھوکے رہیں۔ آپ جو کچھ کماتے تھے وہ دوسروں کو بطور ایثار دے دیا کرتے تھے اور اسی ضمن میں سورۂ ہل اتٰی نازل ہوئی۔

بے شک صدر اول کے مسلمانوں نے سختی کے باوجود اس کے پرچم کو تھام کر اسے دنیا کے دور دراز علاقوں تک پہنچایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھرانے کی بھوک کسی نقص کا باعث نہیں بلکہ یہ ایک افتخار ہے جو ان کی پیشانیوں پر رہا ہے۔

[۱] کافی جلد ۵ صفحہ ۵۲۱۔ وسائل جلد ۳ صفحہ ۲۵۔ وافی جلد ۱۲ صفحہ ۱۲۱۔

ہوتا تو یہاں اس کی رعایت ضروری تھی۔ اس کے علاوہ ایک اور روایت میں ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے حالت احرام میں ایک عورت کو پنکھے سے اپنا چہرہ چھپائے ہوئے دیکھا تو آپ نے خود اپنے ہاتھ کی چھڑی سے پنکھا اس کے چہرے سے دور کیا۔

بعض روایتوں سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ حالت احرام میں عورت کا کھلا چہرہ مرد کے کھلے سر کی طرح ایک مقصد کا حامل ہے اور وہ یہ ہے کہ عورت اور مرد دونوں موسم کی گرمی اور سردی کی تکلیف برداشت کریں۔ ایک حدیث میں ہے کہ ایک عورت حالت احرام میں نقاب اوڑھے ہوئے تھی۔ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: اپنے چہرے سے نقاب ہٹا لو کیونکہ نقاب تمہارے چہرے کی حالت کو متغیر ہونے نہیں دیتا یعنی دھوپ تمہارے چہرے پر اثر انداز ہونی چاہیے۔

پس مرد کے کھلے سر اور عورت کے کھلے چہرے کا مقصد یہ ہے کہ ان آسائشوں میں کمی واقع ہو جن میں وہ عام حالات میں رہتے تھے لیکن چونکہ شارع مقدس یہ چاہتے تھے کہ پردے کا قانون برقرار رہے اس لیے انھوں نے عورت کو یہ حکم نہیں دیا کہ وہ اپنا سر کھلا رکھے۔ بلکہ صرف چہرے کے کھلا رکھنے کو کہا اور اگر شارع حالت احرام میں پردے سے صرف نظر کرنا چاہتے تو ممکن تھا کہ وہ عورت کے لیے بھی سر کی برہنگی کو لازم قرار دیتے۔ فقہا میں سے ہرگز کسی نے یہ نہیں کہا کہ شارع کا مقصد یہ ہے کہ حالت احرام میں پردے سے متعلق استثناء کو ملحوظ رکھا جائے۔

جن روایات اور قرائن کا ہم نے اس باب میں تذکرہ کیا ہے اس سلسلے میں تاریخ اسلام اور شیعہ سنی مکاتب فکر میں بڑی کثرت سے ناقابل انکار دلیلیں اور روایتیں موجود ہیں۔ یہاں ہم نے مشتے از خروارے کے مصداق صرف چند روایتیں بطور نمونہ پیش کی ہیں کیونکہ تمام دلائل اور روایات کو نقل کرنے کے لیے ایک مستقل کتاب درکار ہوگی۔

مخالف دلائل

چہرے اور کلائیوں تک دونوں ہاتھ چھپانے کے وجوب میں مندرجہ ذیل دلائل کا سہارا لیا گیا ہے:

مسلمانوں کی سیرت

یہ ٹھیک ہے کہ ظاہر آیات اور روایات چہرے اور کلائی تک ہاتھ چھپانے کو ضروری قرار نہیں دیتیں لیکن اس سے انکار بھی نہیں کیا جا سکتا کہ دیندار افراد کی سیرت اسکے برخلاف رہی ہے۔

سیرت کوئی ایسی چیز نہیں ہے کہ جس سے آسانی کے ساتھ چشم پوشی کی جا سکے۔ اگر حقیقتاً مسلمانوں کی سیرت صدر اسلام سے آج تک ایک تسلسل کے ساتھ یہ رہی ہو کہ چہرے اور کلائیوں تک ہاتھوں کو چھپایا جائے تو یہ ایک واضح دلیل ہوگی کہ مسلمانوں نے اسے جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ اطہار علیہم السلام سے سیکھا ہے۔ اصطلاحاً کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں کی استمراری سیرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کی آئینہ دار ہے اور سیرت پیغمبر یقیناً حجت ہے۔

بہت سے موقعوں پر فقہا اسلامی احکام ثابت کرنے کے لیے اس طریقے سے استدلال کرتے ہیں جو مسلمانوں میں رائج چلا آ رہا ہے۔ مثلاً داڑھی منڈانے کے متعلق کہتے ہیں کہ اس کے حرام ہونے کی سب سے مضبوط دلیل یہ ہے کہ ہمیشہ سے مسلمانوں کا طریقہ یہ رہا ہے کہ وہ داڑھی نہیں منڈاتے۔ اس پر یہ بحث اٹھی کہ داڑھی نہ منڈانے کا جو طریقہ مسلمانوں میں رائج ہے اس سے یہ نتیجہ تو نکالا جا سکتا ہے کہ داڑھی رکھنا حرام نہیں ہے لیکن یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ داڑھی رکھنا واجب ہے۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ مستحب یا مباح ہو۔ چہرے اور ہاتھوں کو چھپانے کے بارے میں بھی مسلمانوں کے طریقے سے استدلال کیا گیا ہے۔

اس استدلال کے جواب میں جس تاریخی اور اجتماعی نکتے پر توجہ دینا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ اگرچہ عربوں میں پردہ رائج نہیں تھا اور اسلام نے اسے رواج دیا۔ تاہم یہ غیر عرب قوموں میں سخت ترین صورت میں رائج تھا۔

قدیم ایران میں یہودیوں اور یہودی افکار کی پیروی کرنیوالی قوموں کے درمیان پردہ اسلامی نقطہ نظر سے کہیں زیادہ سخت اور شدید تھا۔ ان قوموں میں چہرہ اور کلائیوں تک دونوں ہاتھ بھی چھپائے جاتے تھے بلکہ بعض قوموں میں چہرے اور زیبائش تو درکنار خود عورت کو ہی مردوں کے سامنے نہیں آنے دیا جاتا تھا۔ گو اسلام نے چہرے اور کلائیوں تک ہاتھ کو چھپانے کو واجب قرار نہیں دیا لیکن اسے حرام بھی نہیں گردانا۔ یعنی اسلام نے نہ تو چہرہ چھپانے کی

مخالفت کی ہے اور نہ ہی اسے کھلا رکھنے کو واجب جانا ہے۔ چنانچہ وہ غیر عرب قومیں جو مسلمان ہوئیں وہ اپنی دیرینہ روایات پر چلتی رہیں۔ اسلام نے حالت احرام کے علاوہ چہرے کو چھپانے کی کبھی مخالفت نہیں کی بلکہ جس طرح ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ چہرے اور کلائیوں تک ہاتھوں کا استثنائ محض ایک سہولت اور ایک اجازت ہے۔ اسلام کا اخلاقی رجحان حتی الامکان ستر پوشی کی طرف ہے۔ لہٰذا اگر بالفرض کوئی ایسی سیرت موجود ہو تو وہ چہرے اور کلائیوں تک دونوں ہاتھوں کے چھپانے کے وجوب کی دلیل نہیں بن سکتی۔

اس کے علاوہ ایسا کوئی طریقہ حضرت رسول ؐ، اصحاب رسول ؓ اور ائمہ اطہار ؑ کے زمانے میں موجود نہیں تھا۔ تاریخ کے جھروکوں سے ہمیں جو نظر آتا ہے وہ یہ ہے کہ قرون اولیٰ کے مسلمانوں کا طرزِ زندگی اس سے بہت مختلف تھا جو بعد کی صدیوں میں عربوں کے غیر قوموں سے اختلاط اور خاص کر مشرقی رومی سلطنت اور ایران کی رسوم و عادات سے اثر پذیر ہونے کے بعد وجود میں آیا۔ یہاں تک کہ بعض مغربی مورخین کو جو اسلامی تعلیمات سے صحیح آگاہی نہیں رکھتے تھے، یہ غلط فہمی پیدا ہوئی کہ بنیادی طور پر اسلام نے عورت کے پردے کے بارے میں کوئی حکم نہیں دیا اور اس سلسلے میں رائج تمام رسوم دنیائے اسلام میں باہر سے آئی ہیں۔ ہم اس کتاب کی شروعات میں ان مغربی مورخین کے اقوال نقل کر چکے ہیں۔ یہ ضرور ہے کہ جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں، ان مغربی مورخین کے خیالات بالکل لغو ہیں۔ اسلام نے عورت کو بدن ڈھانپنے کے بارے میں تاکیدی احکام دیے ہیں اور اسکا اس بارے میں ایک خاص فلسفہ ہے۔

پس اوّلاً تو مسلمانوں میں اس طرح کی عادت جاریہ کا کوئی وجود ہی نہیں رہا ہے اور بالفرض اگر ایسی سیرت مسلمانوں کے درمیان رہی بھی ہے تو ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ ائمہ معصومین علیہم السلام کا عمل کیا تھا۔ کیا یہ طریقہ ان کی سیرت سے ہم آہنگ ہے؟ حالانکہ یہ صورت نہیں ہے بلکہ بعض متذکرہ روایات سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ معصومین علیہم السلام کا عمل بھی موجودہ صدی کے مسلمانوں کے طرز عمل سے مختلف تھا۔

مسلمانوں کی سیرت سے تمسک کے لیے ایک گہرے تاریخی جائزے کی ضرورت ہے۔ قوموں کے کردار اور عمل میں ہزاروں تدریجی تغیرات رونما ہوتے ہیں لیکن چونکہ یہ کسی جوش و خروش کے

حامل نہیں ہوتے اس لیے تاریخ انہیں اپنے دامن میں نہیں لیتی اوران کے بارے میں سکوت اختیار کرتی ہے۔ مردانہ لباس کی وضع میں موجودہ صدیوں میں اتنی تبدیلیاں ہوئی ہیں کہ ان کا شمار مشکل ہے۔

سیرت مسلمین کے مطالعہ کے بعد اب ہم اسے سیرت نبوی سے ماخوذ نہیں کہہ سکتے اور یہ ہمارے لیے حجت نہیں ہوسکتی۔ اس کے علاوہ اگر ہمارے لیے یہ سیرت اور یہ روش جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور سے ثابت بھی ہوجائے تو بھی یہ چہرہ چھپانے کے وجوب پر نہیں بلکہ صرف اس کے جواز پر دلیل ہوگی۔ آپ کی روش زیادہ سے زیادہ اس کی ارجحیت کو ثابت کریگی جیساکہ ہم وَ اَنْ یَّسْتَعْفِفْنَ خَیْرٌ لَّهُنَّ کی تفسیر میں عرض کرچکے ہیں کہ لفظ ستر کی جتنی زیادہ رعایت کی جائے گی شارع کے مقصد کی زیادہ بہتر پیروی ہوگی۔

شہید ثانی رضوان اللہ علیہ نے مسالک میں اس مسئلہ کے دلائل پر بحث کرتے ہوئے مسلمانوں کی روش اوران کے اتفاق عمل کی گفتگو کے جواب میں لکھا ہے:

"وَدَعْوَى اتِّفَاقِ الْمُسْلِمِيْنَ عَلَيْهِ مُعَارَضٌ بِمِثْلِهِ وَلَوْ تَمَّ لَمْ يَلْزَمْ مِنْهُ تَحْرِيْمُ هٰذَا الْمِقْدَارِ لِجَوَازِ اسْتِنَادِ مَنْعِهِنَّ اِلَى الْمُرُوَّةِ وَالْغَيْرَةِ بَلْ هُوَ الْاَظْهَرُ اَوْ عَلٰى وَجْهِ الْاَفْضَلِيَّةِ اِذْ لَا شَكَّ فِيْهَا"

چہرے اور کلائیوں تک دونوں ہاتھوں کے چھپائے جانے پر مسلمانوں کے اتفاق کا دعویٰ غلط ہے۔ اولاً اس دلیل کی بنیاد پر کہ اس اتفاق کے ساتھ ساتھ اس کی ضد بھی نقل ہوئی ہے یعنی یہ کہا گیا ہے کہ مسلمانوں کے درمیان یہ سیرت ہمیشہ رہی ہے کہ عورتیں اپنے چہرے اور دونوں ہاتھوں کو کھلا رکھتی تھیں۔

اس سے پہلے جناب شہید ثانی نے چہرے اور دونوں ہاتھوں کو کھلا رکھنے کے حامیوں کی ایک دلیل کو اس طرح بیان کیا ہے:

لِاِطْبَاقِ النَّاسِ فِيْ كُلِّ عَصْرٍ عَلٰى خُرُوْجِ النِّسَآءِ عَلٰى وَجْهٍ يُحْصَلُ مِنْهُ بُدُوْنِ ذٰلِكَ مِنْ غَيْرِ نَكِيْرٍ

لوگوں کا عمل ہر زمانے میں یہ رہا ہے کہ عورتیں اس کیفیت کے ساتھ گھر سے باہر نکلتی

تھیں کہ ان کے چہرے دکھائی دیتے تھے اور کوئی اسے قابل اعتراض نہیں سمجھتا تھا۔

ثانیاً اگر ہم یہ فرض کر بھی لیں کہ مسلمانوں میں چہرے اور دونوں ہاتھوں کے چھپانے کا دستور رہا ہے، تب بھی یہ بات دلیل نہیں بن سکتی، اس لیے کہ سیرت اسی وقت دلیل ہوسکتی ہے جب فرمان پیغمبرؐ بھی اس کی تائید کرتا ہو لیکن یہاں اس سیرت کی اساس غالباً لوگوں کی حسِ غیرت ہے نہ کہ حکم پیغمبرؐ کی اطاعت اور ظاہر بھی یہی ہوتا ہے کہ اس روش کی بنیاد لوگوں کی حسِ غیرت اور مردانگی پر ہے۔

یہ احتمال بھی پیدا ہوتا ہے کہ اس طرز عمل کی بنیاد پردے کی افضلیت کے سبب ہے اسلیے کہ بلاشبہ بفرض جواز ڈھانپنا نہ ڈھانپنے سے افضل ہے۔

۲۔ حقیقی اساس

چہرے اور ہاتھوں کو چھپانے کی ضرورت پر دوسری دلیل ملاك کی بنیاد پر استوار کی گئی ہے یعنی اس فلسفے پر کہ جو تمام بدن کو ڈھانپنے کا قائل ہے وہ چہرے اور دونوں ہاتھوں کے چھپانے کو ضروری قرار دیتا ہے۔ کیا بدن کے تمام حصوں کو چھپانے کا سبب انکی فتنہ انگیزی کے سوا کچھ اور ہے؟ چہرے کا حسن اور اسکی فتنہ انگیزی بدن کے دوسرے حصوں سے کم نہیں بلکہ زیادہ ہے۔ لہٰذا یہ بات قرین عقل نہیں کہ مثلاً بالوں کا ڈھانپنا انکی زیبائش اور فتنہ انگیزی کے سبب واجب ہو اور مرکز حسن ہونے کے باوجود بھی چہرے کا چھپانا واجب نہ ہو۔ دین اسلام ہر اس چیز پر پابندی عائد کرتا ہے جو پاکدامنی کو ضائع کرنے اور ترغیب شہوات کا باعث ہو۔ کیا اس اصل اساس کی موجودگی میں یہ ممکن ہے کہ چہرے اور ہاتھوں کا چھپانا ضروری نہ سمجھا جائے۔

اس استدلال کے جواب میں ہماری گزارش یہ ہے کہ بے شک چہرے اور ہاتھوں کا استثناء اس لیے نہیں ہے کہ اس میں وہ فلسفہ موجود نہیں ہے جو پردے کی اصل اساس ہے بلکہ جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں اور قدیم مفسرین کے حوالے سے بھی نقل کر چکے ہیں اس استثناء کا سبب یہ ہے کہ اگر چہرے اور ہاتھوں کا چھپانا واجب قرار دیا جاتا تو عورت بالکل مفلوج ہو جاتی۔ روزمرہ کے امور کی انجام دہی اس کے لیے ممکن نہ رہتی اور کام کرنے کے مواقع اس سے سلب ہو جاتے۔

جیسا کہ ہم نے پہلے بھی کہا ہے کہ چہرے اور ہاتھوں کا چھپانا عورت کے گھر میں قید

رہنے اور قید نہ رہنے کے درمیان حدِّ فاصل ہے۔ اس شق کا اضافہ کرنے یا حذف کرنے سے پردے کا مفہوم اور اس کا اثر بالکل بدل جاتا ہے۔

اس گفتگو کو زیادہ بہتر طور پر سمجھانے کے لیے اصول فقہ سے متعلق آپ کو بتاتے چلیں کہ اصولیین کے نزدیک مباح کی دو قسمیں ہیں۔ ایک اقتضائی اور دوسرے غیر اقتضائی۔ بعض امور نہ ایسی مصلحت کے حامل ہیں کہ شارع انھیں واجب قرار دے اور نہ ایسی برائی ان میں ہے کہ ان کی تحریم کا سبب قرار پائے۔ ایسے امور چونکہ وجوب یا حرمت سے متعلق کسی بنیاد پر استوار نہیں ہیں اس لیے مباح سمجھے جاتے ہیں اور اسی لیے انھیں مباح غیر اقتضائی کہا جاتا ہے۔ شاید بیشتر مباحات اسی نوعیت سے متعلق ہوں۔

لیکن بعض دیگر امور کے مباح ہونے کا سبب وہ حکمت ہے جو ایسی چھوٹ کے لیے ضروری ہوتی ہے یعنی اگر شارع اس امر کو مباح قرار نہ دے تو اس سے کوئی مشکل پیدا ہو جاتی ہے۔ اس طرح کے مباحات کو مباح اقتضائی کہا جاتا ہے۔ اس طرح کے مباح میں اس کے کرنے یا نہ کرنے سے متعلق ممکن ہے کوئی مصلحت یا برائی موجود ہو لیکن شارع کے پیش نظر اہم مصلحت ہوتی ہے۔

وہ مباحات جو کسی حرج کے سبب مباح قرار دیے گئے ہیں، اسی نوعیت کے ہیں۔ شارع کے پیش نظر یہ بات ہے کہ اگر وہ لوگوں کو بعض امور سے روکنا چاہیں تو زندگی ان کے لیے اجیرن ہو جائے گی لہٰذا انھوں نے اس کی تحریم سے صرف نظر کیا ہے۔

اس کی بہترین مثال طلاق کا مسئلہ ہے۔ اس میں تو کوئی شک نہیں کہ اسلام طلاق کو پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھتا یہاں تک کہ اسے بدترین مباح اور اَبْغَضُ الْحَلَالِ کہا گیا ہے لیکن اس کے باوجود شارع مقدس نے اسے حرام نہیں کیا بلکہ مرد کو اپنی عورت کو طلاق دینے کا اختیار دیا ہے۔

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ عمل شارع کی نظر میں ناپسندیدہ ہے تو پھر انھوں نے اسے حلال کیوں قرار دیا؟ اور اگر ناپسندیدہ نہیں تو پھر اس کی اتنی مذمت کیوں کی گئی ہے اور بنیادی طور پر اَبْغَضُ الْحَلَالِ کسے کہتے ہیں؟

محدثین روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابو ایوب انصاری (رضی اللہ عنہ) اپنی زوجہ ام ایوب کو طلاق دینا چاہتے تھے۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی خبر ہوئی تو آپ نے

فرمایا: اِنَّ طَلَاقَ اُمِّ اَیُّوبَ لَحُوبٌ[۱] یعنی ام ایوب کو طلاق دینا بڑا گناہ ہے۔
لیکن اگر ابوایوب اپنی زوجہ کو طلاق دیدیتے تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہرگز یہ نہ فرماتے کہ طلاق باطل ہے۔

اس مفہوم کا راز کیا ہے؟ کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی شے حرام کی حد تک اور بہت سے حرام امور سے زیادہ ناپسندیدہ ہو لیکن کسی خاص مصلحت کی بنا پر حرام نہ ہو۔

طلاق کے بارے میں اس مسئلہ کا راز یہ ہے کہ اسلام یہ نہیں چاہتا کہ جبر اور زبردستی کو شادی کی بنیاد قرار دے۔ مرد کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی زوجہ کو دل سے چاہے اور عورت ایک محبوب کی طرح گھر میں رہے۔ یعنی گھریلو زندگی کی اساس محبت ہے۔

عشق و محبت میں زور اور زبردستی نہیں۔ یہ درست نہیں کہ قانون عورت کو زبردستی مرد سے منسلک کر دے۔ جب عورت اور مرد میں تعلق خاطر نہ ہو تو قطعاً گھریلو ماحول کی اساس متزلزل ہوگی۔ خاص طور پر اگر مرد، عورت سے شاکی اور متنفر ہو تو معاملہ اور بھی بگڑ جاتا ہے کیونکہ گھریلو زندگی کی باگ ڈور مرد کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ اگر مرد یہ چاہے کہ عورت، اس کی طبیعت کے مطابق اسے چاہے اور وہ اسے پسند کرتا ہو تو عورت جو اپنی فطرت کے مطابق اسے چاہنے سے زیادہ چاہے جانے کو اہمیت دیتی ہے، اس مرد کو چاہتی ہے جو اسے چاہے۔ وہ اس مرد سے پیار کرتی ہے جو صرف اس سے پیار کرتا ہے۔ لہٰذا خوشحال گھریلو زندگی کی کلید مرد کے ہاتھ میں ہے اور جونہی عورت سے مرد کی دلچسپی ختم ہوتی ہے گھریلو ماحول میں انتشار پیدا ہو جاتا ہے۔ ایسے ماحول کو جو محبت، چاہت اور خلوص پر استوار ہوتا ہے، قانون کے زور سے قائم نہیں رکھا جا سکتا۔ عورت نوکرانی یا مزدور کی طرح نہیں ہوتی کہ قانون اسے جبراً خانہ داری پر مجبور کر سکے۔

اسلام نے ایسی تدابیر اختیار کی ہیں کہ جن سے زوجین کے درمیان بدمزگی اور بے مہری پیدا نہ ہو اور مرد پروانہ وار اپنی بیوی کو چاہے اور اگر ناراضگی اور جدائی کے اسباب فراہم ہوں اور مرد اپنی بیوی کو طلاق دینا چاہے تو اگرچہ اسلام اس امر کو نہایت برا سمجھتا ہے لیکن اس

---

[۱] کافی جلد ۶ صفحہ ۵۵ اور وسائل جلد ۳ صفحہ ۱۴۴۔

کی راہ نہیں روکتا کیونکہ اس کے علاوہ کوئی چارۂ کار نہیں ہوتا۔

یہ امر اقتضائی مباحات کا ایک واضح نمونہ ہے۔

پردے کے بارے میں بیشتر استثنائات اسی طرح کے ہیں، خواہ وہ استثناء محرموں کے باب میں ہوں یا اس کا تعلق پردے کے حدود سے ہو۔ لہٰذا محرموں (سوائے شوہر) کے باب میں عورت جتنا زیادہ اپنے آپ کو پوشیدہ رکھے اتنا ہی بہتر ہے۔

باپ بیٹے چچا اور بھائی جیسے محارم میں جن کا شمار پہلے درجے میں ہوتا ہے، جنسی تہیج نہ ہونے کے برابر ہوتا ہے لیکن عورت اگر جوان اور خوبصورت ہو تو بعد کے درجات میں، خاص طور پر سسر اور سوتیلے بیٹے جیسے سببی محارم میں یہ ناپید نہیں ہوتا۔ ایسے مقامات میں شارع کی چھوٹ صرف ضرورت اور ان معاشرتی لوازم کے تحت ہے کہ جن میں محارم سے اجتناب ممکن نہیں ہے۔ سوچنے کا مقام ہے کہ اگر عورت کے لیے بھائی اور باپ سے پردہ واجب ہوتا تو گھریلو زندگی کتنی دشوار ہو جاتی۔

باپ، چچا اور بھائی کے باب میں فطرتاً جنسی رغبت کا وجود ناقابل تصور ہے تاہم استثنائی صورت میں بے راہ رو افراد کی بات دوسری ہے لیکن سوتیلے بیٹے سے پردہ نہ کرنے کا سب سے بڑا سبب دشواری اور حرج ہے۔ اگر کسی شخص کی حسین و جمیل بیوی ہو اور پہلی بیوی سے نوجوان بیٹا بھی ہو تو وہ بیٹا ہرگز اپنے باپ کی زوجہ کے ساتھ ایک حقیقی ماں کی طرح نہیں رہے گا۔ اس بنا پر بعض محارم سے ترک پردہ کا مباح ہونا بھی اس لیے ہے کہ گھریلو زندگی میں رکاوٹ اور سختی پیدا نہ ہو۔ ہم نے سورۂ نور کی ۶۸ ویں آیت سے استفادہ کیا ہے جس میں ارشاد ہوتا ہے: طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ۔ صاحب کشاف زمخشری جیسے بعض مفسرین نے بھی اس آیت کے ذیل میں مذکورہ نکتے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ہم نے بارہا اس بات کی تکرار کی ہے کہ ایسے استثناء حرج اور دشواری کی بنا پر کیے گئے ہیں نہ کہ ان میں تحریم کی ضرورت نہیں، لہٰذا پردے کی جتنی رعایت کی جائے بہتر ہے۔ یعنی عورت اور مرد کی ایک دوسرے سے دوری، پردہ، ترک نظر اور ہر وہ چیز جو انسان کو جنسی مسائل سے دور رکھتی ہے اس میں شامل ہے، تا حد امکان ان تمام چیزوں کی رعایت ضروری ہے۔

اگر کوئی یہ پوچھے کہ جس کلاس یا مجلس میں مرد و زن دونوں شریک ہوں اور عورتیں کافی حد تک

پردہ کرتی ہوں، اگر وہ سب ایک ہی جگہ بیٹھیں تو بہتر ہے یا یہ کہ عورتیں ایک طرف اور مرد دوسری طرف بیٹھیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ بہرحال ان کا الگ الگ بیٹھنا بہتر ہے۔

کلیتہً اصل ضرورت پر نظر رکھنی چاہیے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس شرعی رخصت کو بہانہ بنا کر اجنبی مرد اور عورتیں حجاب سے دستبردار ہو جائیں اور آپس کی ملاقاتوں کے برے نتائج کو بھلا بیٹھیں۔

کوئی خواہش جنسی قوت کی طرح سرکش اور حساس نہیں ہے۔ اجنبی عورت اور مرد کو اس حد تک ایک دوسرے سے دور رکھنے کی اسلامی کوشش کہ جہاں کوئی خرابی پیدا نہ ہو نفسیاتی پہلو کی حامل ہے اور علم نفسیات سو فیصد اس مسئلے کی تائید کرتا ہے۔ تاریخ اور حکایات بھی اس امر کی تصدیق کرتی ہیں کہ کبھی ایک ملاقات یا نگاہوں کا ایک ٹکراؤ لمحے بھر میں بسے بسائے گھر کو تباہ کر دیتا ہے۔

تمام گناہوں کے مقابل ایمان اور تقویٰ پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے لیکن اسلام تقویٰ اور ایمان کو ایک مضبوط ترین اخلاقی قوت ہونے کے باوجود جنسی تحریکات سے بچنے کے لیے ناکافی ضمانت تصور کرتا ہے۔

اسی مطلب کو حافظ شیرازی نے اپنی مشہور غزل میں جس کا مطلع ہے ؎

نقد ہارا بود آیا کہ عیاری گیرند   تا ہمہ صومعہ داران پئی کاری گیرند

کتنے عمدہ اور لطیف پیرائے میں بیان کیا ہے۔ فرماتے ہیں ؎

قوت بازوی پرہیز بہ خوباں مفروش   کہ دراین خیل حصاری بہ سواری گیرند

۳۔ ایک اور روایت

جو لوگ چہرے اور ہاتھوں کے چھپانے کو ضروری سمجھتے ہیں، ان کی تیسری دلیل وہ روایت ہے جو حدیث کی کتابوں میں آئی ہے اور جس سے شہید ثانی نے بھی اپنی کتاب مسالک میں استدلال کیا ہے لیکن بعد میں اس پر تنقید بھی کی ہے۔ روایت کا مضمون یہ ہے:

حجۃ الوداع کے موقع پر ایک عورت کوئی مسئلہ پوچھنے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ اس وقت فضل بن عباس رسول اللہؐ کے پیچھے سواری پر سوار تھے۔

اس عورت اور فضل کی نگاہیں دوچار ہوئیں۔ رسول اللہؐ نے محسوس کیا کہ وہ دونوں ایک دوسرے کو گھور رہے ہیں۔ عورت کی ساری توجہ اپنے جواب کی طرف ہونے کے بجائے فضل کی طرف ہے جو ایک خوبصورت جوان تھے، رسول اللہؐ نے اپنے ہاتھ سے فضل کے چہرے کا رخ دوسری طرف موڑ دیا اور فرمایا: "عورت بھی جوان، مرد بھی جوان ــــ ڈرتا ہوں کہ کہیں ان دونوں کے درمیان میں شیطان نہ گھس آئے۔" [1]

جناب شہید ثانیؒ اس استدلال کے جواب میں فرماتے ہیں:

"یہ روایت چہرے کو چھپانے کے وجوب اور حرمت نگاہ پر دلیل نہیں بلکہ اس کے عدم وجوب پر دلیل ہے۔ اس کے علاوہ اس میں اجنبی چہرے پر نگاہ ڈالنے کا جواز بھی پایا جاتا ہے۔"

ہم جناب شہید ثانیؒ کے بیان کی توضیح اس طرح کرتے ہیں:

سب سے پہلے یہ کہ اس حدیث کے مطابق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورت کو اپنا چہرہ کھلا رکھنے سے باز نہیں رکھا کہ جس کے سبب یہ واقعہ پیش آیا۔ اس کے بعد خود جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسئلے کا جواب دیتے ہوئے اس عورت کا چہرہ دیکھتے رہے۔ تیسرے یہ کہ اس واقعے سے مستفاد ہوتا ہے کہ ان دونوں (عورت اور فضل بن عباس) کی نگاہیں شہوت آلود تھیں۔ بے شک اس قسم کی نگاہوں کا تبادلہ حرام ہے، اسی لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فضل کے چہرے کو دوسری طرف پھیر دیا تھا۔ چوتھے یہ کہ اس واقعے کے بعد بھی آپ نے اس عورت کو چہرہ چھپانے کے لیے نہیں فرمایا بلکہ ان دونوں کو شہوت آلود نگاہوں سے عملاً روکا۔

شیخ انصاریؒ نے بھی رسالۂ نکاح میں اس حدیث کو ان افراد کی طرف سے نقل کیا ہے جو چہرہ چھپانے کے وجوب اور حرمت نگاہ کے حامی ہیں۔ آپ نے فرمایا یہ حدیث زیادہ تر ان کے دعووں کے برخلاف دلیل فراہم کرتی ہے۔

۴ــــ طلب رشتہ

جو لوگ چہرہ چھپانا واجب سمجھتے ہیں انکی ایک اور دلیل یہ ہے کہ جو شخص نکاح کرنا چاہتا ہے اسے اجازت

[1] صحیح بخاری جلد ۸ صفحہ ۶۳۔

دی گئی ہے کہ جس عورت سے نکاح کا قصد ہو اس کے چہرے کو دیکھ سکتا ہے۔ اسکا مطلب یہ ہے کہ جو شخص شادی کا قصد نہ رکھتا ہو اسکے لیے چہرے کو دیکھنا جائز نہیں۔ اب ہم اس باب کی چند روایات کا تذکرہ کرتے ہیں:

ا۔ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ، کُنْتُ عِنْدَ النَّبِیِّ فَاَتَاهُ رَجُلٌ فَاَخْبَرَهُ اَنَّهُ تَزَوَّجَ امْرَاَةً مِّنَ الْاَنْصَارِ فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ (ص) اَنَظَرْتَ اِلَیْهَا؟ قَالَ لَا۔ قَالَ فَاذْهَبْ فَانْظُرْ اِلَیْهَا فَاِنَّ فِیْ اَعْیُنِ الْاَنْصَارِ شَیْئًا۔[1]

ابو ہریرہ دوسی بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک شخص آیا اور اس نے کہا کہ میں نے انصار کی ایک عورت سے عقد کر لیا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: کیا تو نے اس عورت کو دیکھا ہے؟ اس نے عرض کی: نہیں۔ آپ نے فرمایا: جاؤ اور اسے دیکھو کیونکہ عام طور پر انصار کی آنکھیں معیوب ہوتی ہیں۔

ب۔ عَنِ الْمُغِیْرَةَ بْنِ شُعْبَةَ اَنَّهُ خَطَبَ امْرَاَةً فَقَالَ (ص) اُنْظُرْ اِلَیْهَا فَاِنَّهُ اَحْرٰی اَنْ یَّدُوْمَ بَیْنَکُمَا۔[2]

مغیرہ بن شعبہ نے کسی خاتون سے رشتہ طے کیا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کا علم ہوا تو آپ نے فرمایا: جاؤ جا کر اسے دیکھو کیونکہ دیکھ کر پھر شادی کرنا دوام ازدواج کے لیے زیادہ بہتر ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے:

ج۔ لَا بَاْسَ اَنْ یَّنْظُرَ اِلٰی وَجْهِهَا وَمَعَاصِمِهَا اِذَا اَرَادَ اَنْ یَّتَزَوَّجَهَا۔[3]

جب کوئی شخص شادی کرنا چاہے تو اس کے لیے لڑکی کا چہرہ اور کلائی تک ہاتھوں کو دیکھ لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس حدیث کا برعکس مفہوم یہ ہے کہ اگر شادی کی بات نہ ہو تو

---

[1] صحیح مسلم جلد ۴ صفحہ ۱۴۲ [2] صحیح ترمذی صفحہ ۱۷۵۔

[3] وافی جلد ۱۲ صفحہ ۵۸۔ وسائل جلد ۳ صفحہ ۱۱ اور کافی جلد ۵ صفحہ ۳۶۵۔

دیکھنا جائز نہیں۔

اس استدلال کا جواب جیسا کہ فقہاء نے لکھا یہ ہے:

پہلے تو یہ کہ شادی کا قصد رکھنے والے اور شادی کا قصد نہ رکھنے والے کی نگاہوں میں فرق پایا جاتا ہے۔ شادی کا قصد رکھنے والا خریدار کی نظروں سے اور خریداری کے لیے دیکھتا ہے۔ گویا اس کی نگاہیں استقلالی ہوتی ہیں اور عموماً لذت سے خالی نہیں ہوتیں۔ لہٰذا فقہاء کہتے ہیں کہ شادی کا قصد رکھنے والی نگاہ یہ جانتے ہوئے بھی کہ اس میں لذت شامل ہوگی اشکال سے خالی ہے البتہ اس کا مقصد تحقیق ہونا چاہیے نہ کہ لذت اندوزی، لیکن شادی کا قصد نہ رکھنے والی نگاہ اگر تلذّذ مقصود نہیں ہے تو غیر استقلالی ہوگی۔ ہم ان دونوں نگاہوں کے فرق کو سورۂ نور کی آیت ۳۱ کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ شادی کا ارادہ نہ رکھنے والے مرد کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی نامحرم عورت کو گھورے اور خریدار کی نگاہ سے اس کا جائزہ لے اور یہ بات اس بات کی مخالفت نہیں کرتی کہ عورت کے چہرے پر آلی نگاہ ڈالنا جو تخاطب کا لازمہ ہے جائز ہو۔

دوسرے یہ کہ خواستگاری کے لیے نگاہ کے بارے میں جیسا کہ روایتوں اور فتووں سے پتہ چلتا ہے کہ نہ صرف چہرہ تک دونوں ہاتھوں کو دیکھنا جائز ہے بلکہ عورت کے سراپے کو دیکھنا بھی جائز ہے۔ مثال کے طور پر ہم دو روایتیں پیش کرتے ہیں:

عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ سِنَانٍ: قَالَ قُلْتُ لِاَبِیْ عَبْدِاللّٰهِ (ع) اَلرَّجُلُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَزَوَّجَ الْمَرْاَةَ اَفَيَنْظُرُ اِلٰى شَعْرِهَا؟ فَقَالَ نَعَمْ اِنَّمَا يُرِيْدُ اَنْ يَّشْتَرِيَهَا بِاَغْلَى الثَّمَنِ۔ [۱]

عبد اللہ بن سنان کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا: "جب کوئی شخص کسی لڑکی سے شادی کرنا چاہے تو کیا اس کے بالوں کو دیکھ سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! اس لیے کہ وہ اونچے داموں اس کا خریدار ہے۔"

یعنی انسان ازدواجی زندگی میں جس چیز کی بنیاد قائم کرتا ہے وہ ہر شے سے زیادہ قیمتی

---

[۱] وسائل جلد ۳ صفحہ ۱۲۔ تہذیب جلد ۷ صفحہ ۴۳۵۔

ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس سے مراد مہر کی رقم نہیں ہے اس لیے کہ مہر کی رقم اونچے دام نہیں ہوتے بلکہ مراد یہ ہے کہ وہ چاہتا ہے کہ اپنی ساری زندگی اس کے ساتھ بسر کرے۔

عَنْ رَجُلٍ عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰہِ (ع) قَالَ قُلْتُ لَہٗ اَیَنْظُرُ الرَّجُلُ
اِلَی الْمَرْاَۃِ یُرِیْدُ تَزْوِیْجَھَا فَیَنْظُرُ اِلٰی شَعْرِھَا وَمَحَاسِنِھَا؟
قَالَ لَا بَاْسَ بِذٰلِكَ اِذَا لَمْ یَکُنْ مُتَلَذِّذًا۔ ؎

کسی نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ شادی کا ارادہ رکھنے والے شخص کو کیا یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی ہونیوالی بیوی کے بال اور دیگر محاسن کو دیکھے؟ آپ نے فرمایا: کوئی حرج نہیں بشرطیکہ اس کا مقصد تلذذ نہ ہو۔

اس سے یہ معلوم ہوا کہ شادی کا ارادہ رکھنے والے کے لیے جواز نظر صرف چہرے اور کلائیوں تک محدود نہیں ہے۔

تیسرے ہماری بحث فی الحال چہرے اور کلائیوں تک دونوں ہاتھوں کو پوشیدہ رکھنے سے متعلق ہے۔ مرد کے لیے جواز نظر سے متعلق نہیں۔ بالفرض اگر ایسی روایتیں جو شادی کا قصد رکھنے والے شخص کے لیے اپنی منتخب عورت کا چہرہ دیکھنے کو جائز قرار دیتی ہیں تو وہ برعکس مفہوم بھی رکھتی ہیں یعنی شادی کا قصد نہ رکھنے والوں کے لیے عورت کے چہرے پر نظر ڈالنا ناجائز ہو تو یہ غیر عورت کے چہرے پر مرد کی نگاہ کے عدم جواز پر دلیل ہے نہ عورت کے چہرے اور کلائیوں کے چھپانے کے وجوب پر!

۵ آیۂ جلباب

ایک اور دلیل جس سے استدلال کیا جا سکتا ہے وہ جلباب کی آیت ہے جس میں ارشاد ہوا ہے:

یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْھِنَّ
مِنْ جَلَا بِیْبِھِنَّ۔

؎ کافی جلد ۵ صفحہ ۳۶۵ - وسائل جلد ۳ صفحہ ۱۱

"اے رسولؐ! اپنی بیویوں، بیٹیوں اور تمام مومنین کی عورتوں سے کہہ دیجیے کہ وہ اپنی اوڑھنیوں کو اپنے سے نزدیک کرلیں" (سورۂ احزاب آیت ۵۹)

یہ استدلال اس بات پر مبنی ہے کہ "اپنی اوڑھنیوں کو اپنے نزدیک کرلیں" کا جملہ اس بات کی طرف کنایہ ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی اوڑھنیوں سے اپنے چہرے چھپالیں۔ جیساکہ زمخشری نے کشاف میں اور فیضؔ نے صافی میں اس کی تفسیر کی ہے۔

لیکن ہم تحفظ عصمت کے ذیل میں یہ ثابت کرچکے ہیں کہ یہ تفسیر بے بنیاد ہے اور ہم نے وہاں صاحبِ تفسیر المیزان علامہ طباطبائی کی طرح کے دیگر مفسرین کی تائید کی ہے۔ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے کسی فقیہ نے وجوب ستر کے دلائل میں اس آیت سے استفادہ نہیں کیا ہے۔

اجتماعات میں عورت کی شرکت

ہم نے موافق اور مخالف دلائل کو جہاں تک ضروری تھا بیان کردیا جس سے دو باتیں سامنے آئیں۔ پہلی بات یہ کہ اسلام نے پاکدامنی کی بھرپور تاکید کی ہے۔ نیز کان، آنکھ اور ہاتھ سے مردوزن کے تلذذ اور ناجائز جنسی تعلقات پر قدغن لگائی ہے کیونکہ وہ یہ نہیں چاہتا کہ کسی بھی عنوان سے عورت پر کوئی آنچ آئے لیکن آج کی دنیا نے ان غیرمعمولی انسانی اقدار سے صرف نظر کر رکھا ہے۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ نقصان اٹھانے کے باوجود بھی دنیا اس زرّیں اصول کی طرف متوجہ نہیں ہورہی ہے۔

آج کی دنیا نے آزادیٔ نسواں کے بہانے جنسی روابط کی آزادی کے عنوان سے نوجوان طبقے کو بگاڑ دیا ہے اور انسانی صلاحیتوں کو ابھارنے کے بجائے ان کو ضائع کردیا ہے۔ عورتیں چادر اور چاردیواری چھوڑ کر کلبوں، ہوٹلوں، سینماگھروں، تھیٹروں، سمندری ساحلوں اور شب نشینی کی محفلوں میں آگئی ہیں۔ آج کی عورت نے تعلیمی مراکز اور کسی جگہ کو آباد کرنے کے بجائے آزادی کے نام پر اپنے گھر کو برباد کردیا ہے بلکہ سچ تو یہ ہے کہ درسگاہوں میں بھی ان کے منفی طرزِ عمل کا دخل نمایاں ہے۔

اس بے راہ روی اور اخلاقی بندشوں سے بے توجہی نے نوجوان نسل کی تعلیمی ترقی کی راہیں مسدود کردی ہیں۔ نوجوان کالج اور یونیورسٹیوں سے دوری اختیار کر رہے ہیں۔ عشق و عاشقی سے متعلق جرائم میں اضافہ ہو رہا ہے۔ سینماؤں اور بازاروں کی رونقیں بڑھ رہی ہیں COSMETICS بنانے والوں کی جیبیں بھری جارہی ہیں۔ معاشرے میں گلوکاروں اور رقاصاؤں کی عزت دانشمندوں اور مصلحوں سے بڑھی ہوئی ہے۔ اگر آپ اس حقیقت کی تصدیق کرنا چاہتے ہیں تو ان مختلف مواقع کا موازنہ کریں کہ جب اس ملک میں ایک گلوکار اور ایک ماہر امراض قلب مثلاً پروفیسر برنارڈ جیسا کوئی دانشمند آئے تو ان دونوں کے استقبال سے آپ نوجوان نسل کے ردعمل کا بخوبی مشاہدہ کر سکتے ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ اسلام نے جو رب الارباب کا وضع کردہ جامع معتدل اور متداول آئین ہے امت مسلمہ کو امت وسط قرار دیا ہے۔ چنانچہ ہر قسم کی افراط و تفریط سے پاک یہ کامل دین جس طرح پاکدامنی کے حصار کی شکستگی کے خطرے کی طرف پوری طرح متوجہ ہے، اسی طرح وہ ان کے دیگر مسائل سے بھی لاتعلق نہیں ہے۔ چنانچہ وہ عورتوں کو ان اجتماعات میں شریک ہونے سے منع نہیں کرتا جن میں وہ فساد کی طرف مائل نہیں ہوتیں بلکہ بعض اجتماعات میں تو ان کی شرکت کو واجب قرار دیتا ہے مثلاً حج جو مرد و زن پر یکساں واجب ہے حتیٰ کہ شوہر کو بھی اسے منع کرنے کا حق نہیں اور بعض مقامات میں رخصت پر اکتفا کی گئی ہے۔ جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ عورت پر جہاد واجب نہیں ہے مگر ان حالات میں جب مسلمانوں کی بستی یا علاقہ دشمن کی زد پر آجائے اور سوائے دفاع کے کوئی چارہ نہ رہے تو ایسی صورت میں فقہاء کا فتویٰ ہے کہ عورتوں پر بھی جہاد واجب ہو جاتا ہے [1] لیکن اگر ایسی صورت نہ ہو تو جہاد واجب نہیں ہوگا تاہم رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعض عورتوں کو اجازت دی تھی کہ وہ جنگوں میں زخمیوں کی دیکھ بھال کریں۔ تاریخ اسلام میں اس نوع کے واقعات بہت ہیں۔ [2]

---

[1] مسالک کتاب جہاد

[2] غزوات، سیرت اور تاریخ اسلام پر لکھی گئی کتب۔ نیز صحیح مسلم جلد ۵ صفحات ۱۹۶ - ۱۹۷۔ سنن ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۱۷ اور جامع ترمذی صفحہ ۲۴۳ ملاحظہ فرمائیں۔

عورتوں پر نماز جمعہ میں شرکت واجب نہیں ہے مگر موقع پر حاضر ہونے کی صورت میں ان پر اس میں شرکت واجب ہو جاتی ہے۔[1]

اسی طرح نماز عیدین میں عورتوں کی شرکت واجب نہیں ہے لیکن ان کی شرکت ممنوع بھی نہیں ہے۔ تاہم حسین وجمیل عورتوں کے لیے شرکت کرنا مکروہ ہے۔[2]

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرعہ اندازی کے ذریعہ اپنی ازواج میں سے کسی ایک کو اپنے ہمراہ سفر پر لیجایا کرتے تھے اور بعض صحابہ کا عمل بھی یہی تھا۔[3]

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورتوں سے بیعت لی مگر ان کے ساتھ مصافحہ نہیں کیا۔ آپ پانی کا برتن لانے کا حکم فرماتے اور اپنا دست مبارک اس میں ڈال کر عورتوں کو بھی اس میں ہاتھ ڈالنے کا حکم فرماتے اور اسی عمل کو عورتوں کی بیعت سے تعبیر فرمایا۔[4]

ام المومنین بی بی عائشہ کہتی ہیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ساری عمر اپنے دست مبارک سے کبھی کسی غیر عورت کے ہاتھوں کو نہیں چھوا۔

آپ نے کبھی عورتوں کو تشییع جنازہ سے منع نہیں کیا اگرچہ اسے ضروری بھی نہیں جانا۔ البتہ آپ نے اس بات کو زیادہ ترجیح دی کہ عورتیں جنازہ میں شرکت نہ کریں۔ تاہم خاص مواقع پر انھوں نے شرکت بھی کی ہے اور نماز بھی پڑھی ہے۔ ہماری روایتوں میں یہ بھی آیا ہے کہ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بڑی صاحبزادی زینب کا انتقال ہوا تو بی بی فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا اور دیگر مسلمان عورتیں آئیں اور انھوں نے نماز بھی پڑھی۔[5]

---

[1] وسائل جلد ۱ صفحہ ۴۵۶

[2] وسائل جلد ۱ صفحہ ۴۷۴

[3] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۴۷۔ تمام مؤرخین نے اس بات کو لکھا ہے۔

[4] اس واقعے کو بھی مؤرخین اور مفسرین کی تائید حاصل ہے۔ مؤرخین نے اس واقعے کو فتح مکہ کے ضمن میں اور مفسرین نے سورہ ممتحنہ کی بارہویں آیت کے ذیل میں ذکر کیا ہے۔ اس کے علاوہ کافی جلد ۵ صفحہ ۵۲۶ میں بھی اس کا تذکرہ موجود ہے۔ [5] وسائل جلد ۱ صفحہ ۱۵۶۔

شیعی روایات کی رو سے نوجوان عورتوں کی جنازہ میں شرکت مکروہ ہے۔ علمائے اہل تسنن نے ام عطیہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں یہ نصیحت کی کہ ہم جنازے میں شرکت نہ کیا کریں لیکن اس سے منع نہیں فرمایا۔ ؎

اسماء بنت یزید انصاری کو زنان مدینہ کا نمائندہ بنا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بھیجا گیا کہ وہ مدینہ کی مسلمان عورتوں کے مسائل آپ سے بیان کرے اور انکے جواب لائے۔

اسماء اس وقت پہنچی جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اصحاب کے درمیان تشریف فرما تھے۔ انہوں نے کہا: "میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، میں مدینہ کی عورتوں کی ترجمانی کے لیے آپ کے حضور پہنچی ہوں۔ ہم عورتوں کا یہ کہنا ہے کہ خداوند عالم نے آپ کو مردوں اور عورتوں دونوں پر مبعوث فرمایا ہے۔ آپ صرف مردوں کے نبی نہیں ہیں ہم عورتیں بھی آپ پر اور آپ کے خدا پر ایمان لائی ہیں۔ ہم اپنے گھروں میں بیٹھ کر مردوں کی جنسی خواہشات کو پورا کرتی ہیں اور ان کے فرزندوں کی اپنے شکم میں پرورش کرتی ہیں لیکن ہم دیکھتی ہیں کہ عظیم، مقدس اور قابل قدر اجر و ثواب کے اعمال مردوں کے لیے مخصوص کیے گئے ہیں اور ہم محروم ہیں۔

جمعہ اور جماعت، مریضوں کی عیادت، جنازے میں شرکت، حج مکرر اور سب سے بڑھ کر راہ خدا میں جہاد کی توفیق، یہ تمام فضیلتیں مردوں کو حاصل ہیں جبکہ حج یا جہاد پر جانے والے مردوں کے اموال کی رکھوالی ہم عورتیں کرتی ہیں۔ ہم آپ لوگوں کے لباس کے لیے چرخہ کات کر سوت تیار کرتی ہیں۔ آپ کے فرزندوں کی تربیت کرتی ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ان تمام زحمتوں میں آپ کے ساتھ شریک ہوتے ہوئے بھی تقدس عظیم اور موجب اجر و ثواب امور میں ہمارا حصہ نہیں ہے اور ہم اس سے محروم ہیں؟

رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب پر ایک نگاہ ڈالی اور فرمایا: "کیا تم لوگوں میں سے کسی نے ایک عورت کی زبانی دینی امور سے متعلق اتنی اچھی اور منطقی گفتگو سنی ہے؟"

ایک صحابی نے کہا: "میں نہیں سمجھتا کہ یہ گفتگو اس عورت کی اپنی ہو۔"

؎ صحیح مسلم جلد ۳ صفحہ ۴۷۔ صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۹۴ اور سنن ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۱۸۰

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابی کے جواب پر کوئی توجہ نہیں دی اور اسماء سے مخاطب ہوکر کہا: "بی بی جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اسے غور سے سنو اور پھر ان عورتوں کو بھی سمجھاؤ جنہوں نے تمہیں میرے پاس بھیجا ہے۔ تم یہ سمجھتی ہو کہ ہر مرد تمہارے بیان کردہ ان امور کے ذریعے اجر و ثواب اور فضیلت پائے گا اور عورتیں اس سے محروم رہیں گی۔ نہیں ایسا ہرگز نہیں ہے۔ عورت اگر اچھی طرح خانہ داری اور شوہرداری کا خیال رکھے اور گھر کے ماحول کو کدورت کے غبار سے آلودہ نہ ہونے دے تو اس کا اجر و ثواب اور فضیلت ان تمام امور کے برابر ہوگا جنہیں مرد انجام دیتے ہیں۔"

اسماء ایک ایماندار عورت تھی۔ اس کا اور اس کی ساتھی عورتوں کا تقاضا ایمان کی گہرائیاں لیے ہوئے تھا۔ اس میں نفسانی خواہشات کا عمل دخل نہیں تھا۔ وہ اور اس کی ہم خیال عورتیں اس تشویش میں مبتلا تھیں کہ کہیں ان کو سونپی گئی ذمہ داریوں کی کوئی قدر و قیمت نہ ہو اور تمام مقدس قدر و قیمت کے حامل فرائض مردوں ہی کے لیے مخصوص نہ کیے گئے ہوں۔ وہ مردوں اور عورتوں کے درمیان مساوات کی خواہاں تھیں لیکن کس سلسلے میں؟ فضیلت اور مقدس فرائض کی انجام دہی کے سلسلے میں! یہ چیز ان کو چھو کر بھی نہ گزری تھی کہ وہ انفرادی یا شخصی خواہشات کو "حقوق" کا نام دیں اور اس بہانے سے احتجاج کر کے کوئی ہنگامہ کھڑا کریں۔

لہٰذا جب اسماء نے رسول اللہؐ کا جواب سنا تو اس کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا اور وہ مطمئن اور مسرور اپنی ہم خیال عورتوں کے پاس لوٹ آئی۔[۱]

ایسے موارد میں عورتوں کی شرکت سے متعلق بہت سی متضاد روایات حدیث کی کتابوں میں وارد ہوئی ہیں۔ ان میں سے بعض سے شدید ممانعت کی صورت نکلتی ہے لیکن صاحب وسائل جو خود بھی بڑے زبردست محدث ہیں تمام اسلامی آثار و روایات پر نظر ڈالنے کے بعد کہتے ہیں:

مجموعی طور پر روایات سے جو کچھ سمجھ میں آتا ہے، وہ یہ ہے کہ عورتوں کے لیے مجالس عزا

---

[۱] اُسد الغابہ جلد ۵ صفحات ۳۹۸/ ۳۹۹۔ اس واقعہ کو حدیث اور تفسیر کی کتابوں میں بھی نقل کیا گیا ہے۔

حقوق العباد کی انجام دہی[1] اور جنازے کے ساتھ جانے کے لیے گھر سے باہر نکلنا اور ایسے ہی دیگر اجتماعات میں شرکت جائز ہے۔ کیونکہ جناب فاطمہ زہرا[ع] اور ائمہ طاہرین[ع] کی ازواج اس طرح کی تقریبات میں شرکت کیا کرتی تھیں۔ پس جمع بین الروایات کے اصول کا تقاضا یہ ہے کہ جن روایات میں ممانعت آئی ہے، اسے ہم کراہت پر محمول کریں۔[2]

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورتوں کو اجازت دے دی تھی کہ اگر کوئی کام ہو تو عورتیں گھر سے باہر جا کر اسے انجام دے سکتی ہیں۔ زوجۂ رسول سودہ بنت زمعہ ایک دراز قد خاتون تھیں۔ ایک رات وہ رسول اللہ[ص] کی اجازت سے کسی کام سے گھر سے باہر نکلیں۔ گو رات کا وقت تھا، عمر بن خطاب نے سودہ کو ان کے لمبے قد کی وجہ سے پہچان لیا۔ اس معاملے میں عمر سخت متعصب تھے اور ہمیشہ رسول اللہ[ص] کو یہی مشورہ دیتے رہتے تھے کہ اپنی ازواج کو گھر سے باہر نہ نکلنے دیں۔ عمر نے سخت لہجے میں سودہ سے کہا کہ تم سمجھتی ہو گی کہ ہم نے تمہیں پہچانا نہیں۔ ہم نے تمہیں پہچان لیا ہے۔ اب گھر سے نکلتے وقت احتیاط رکھنا۔ سودہ وہیں سے الٹے پاؤں واپس ہو گئیں اور جا کر سارا ماجرا رسول اللہ[ص] کی خدمت میں عرض کر دیا۔ اس وقت رسول اللہ[ص] رات کا کھانا نوش فرما رہے تھے اور ایک ہڈی آپ کے ہاتھ میں تھی۔ کچھ دیر نہ گزری تھی کہ آپ پر حالتِ وحی طاری ہوئی۔ معمول کی حالت پر لوٹ آنے کے بعد آپ نے فرمایا: اِنَّهٗ قَدْ اُذِنَ لَكُنَّ اَنْ تَخْرُجْنَ لِحَوَائِجِكُنَّ " تمہیں اجازت دیدی گئی ہے کہ تم اپنی ضرورتوں کے لیے گھر سے باہر نکل سکتی ہو۔"[3]

---

[1] بحار الانوار جلد ۱۱ صفحہ ۱۱۸ مطبوعہ کمپانی میں کافی کے حوالے سے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی حدیث نقل ہوئی ہے: كَانَ اَبِيْ يَبْعَثُ اُمِّيْ وَاُمَّ فَرْوَةَ تَقْضِيَانِ حُقُوْقَ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ۔ یعنی میرے والد امام جعفر صادق (علیہ السلام) میری اور اپنی والدہ گرامی کو مدینہ کے حاجتمندوں کی حاجت روائی کے لیے بھیجا کرتے تھے۔

[2] وسائل جلد ۱ صفحہ ۷۲۔

[3] صحیح بخاری جلد ۷ صفحہ ۴۹۔ جلد ۸ صفحہ ۶۶۔ صحیح مسلم جلد ۷ صفحہ ۶

جیسا کہ تواریخ اور احادیث سے مجموعی طور پر ظاہر ہوتا ہے حضرت عمر صحابہ میں اپنی خشک اور گرم طبیعت کی وجہ سے جو اُن کی خصوصیت تھی عورتوں کے بارے میں بڑے سخت گیر واقع ہوئے تھے اور مکمل طور پر ان کی خانہ نشینی کے حامی تھے۔

جاحظ حضرت عمر کے بارے میں نقل کرتے ہیں کہ وہ کہتے تھے:

" اَکْثِرُوْا لَھُنَّ مِنْ قَوْلِ لَا فَاِنْ نَعَمْ یَضْرِیھُنَّ عَلَی الْمَسْأَلَۃِ

یعنی عورتوں کو زیادہ تر نہیں کہنا چاہیے کیونکہ ہاں انکی خواہشات کو جرأت بخشتا ہے[1]

زمخشری لکھتے ہیں: "حضرت عمر کو اس بات سے بڑی دلچسپی تھی کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج پردے میں رہیں اور باہر نہ نکلیں۔ یہ بات وہ اکثر اپنے موضوع گفتگو میں لایا کرتے تھے۔ وہ ازواج پیغمبر سے کہا کرتے تھے: "اگر میرے بس میں ہوتا تو کوئی آنکھ تمہیں نہیں دیکھ سکتی تھی۔" ایک دن وہ ازواج رسول کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا: "تم لوگ دوسری عورتوں سے مختلف ہو جس طرح کہ تمہارا شوہر دوسرے مردوں سے مختلف ہے لہٰذا تمہارے لیے بہتر ہے کہ تم پردے میں رہو" یہ سن کر ام المومنین زینب (رضی اللہ عنہا) نے فرمایا: "اے ابن الخطاب! وحی ہمارے گھر اترتی ہے اور تم ہمیں غیرت کا سبق پڑھاتے ہو اور ہمارے لیے تکلیف معین کرتے ہو۔"[2]

سنن ابن ماجہ میں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ایسے جنازے میں شرکت فرمائی جس میں مرنے والے کی ایک رشتہ دار عورت شریک تھی۔ حضرت عمر نے اس عورت کو سرزنش کی تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "چھوڑ دو اے عمر! آنکھیں اشکبار، دل داغدار اور غم تازہ ہے۔"[3]

اس قسم کے واقعات حضرت عمر کے حالات زندگی میں کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ مرحوم مولانا مودودی نے نقل کیا ہے کہ حضرت عمر کی اپنی بیوی عاتکہ بنت زید سے ہمیشہ اس معاملہ

---

[1] البیان والتبیین جلد ۲ صفحہ ۹۰ اور جلد ۳ صفحہ ۱۵۵۔

[2] تفسیر کشاف۔ سورۂ احزاب ۵۳ ویں آیت کی تفسیر کے ذیل میں۔

[3] حدیث نمبر ۱۵۸۷ باب مَاجَاءَ فِی الْبُکَاءِ عَلَی الْمَیِّتِ۔

میں کشمکش رہا کرتی تھی۔ حضرت عمرؓ نہ چاہتے تھے کہ وہ مسجد میں جائیں مگر انھیں جانے پر اصرار تھا۔ وہ اجازت مانگتیں تو آپ ٹھیک ٹھیک حکم نبوی پر عمل کر کے بس خاموش ہو جاتے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم تمہیں روکتے نہیں، مگر صاف صاف اجازت بھی نہ دیں گے۔ وہ بھی اپنی بات کی پکی تھیں۔ کہا کرتی تھیں کہ خدا کی قسم میں جاتی رہوں گی جب تک آپ صاف الفاظ میں منع نہیں کریں گے۔"[1]

صحیح بخاری میں ابن عباس (رضی اللہ عنہ) کہتے ہیں: "میری بڑی خواہش تھی کہ مجھے کوئی مناسب موقع میسّر آئے تو میں حضرت عمر سے پوچھوں کہ وہ عورتیں کون ہیں جن کے بارے میں قرآن فرماتا ہے: اِنۡ تَتُوۡبَاۤ اِلَى اللّٰهِ فَقَدۡ صَغَتۡ قُلُوۡبُكُمَا[2] یہاں تک کہ حج کے سفر میں میرا اوران کا ساتھ ہوا۔ ایک دن مجھے موقع ہاتھ آیا اور میں نے وضو کا پانی ان کے ہاتھ پر ڈالتے ہوئے پوچھا: اے امیرالمومنین! وہ دو عورتیں جن کی طرف قرآن مجید نے اشارہ کیا ہے کون ہیں؟"

حضرت عمر نے کہا: تعجب ہے کہ تم مجھ سے ایسا سوال پوچھتے ہو۔ وہ عائشہ اور حفصہ ہیں۔

اس کے بعد حضرت عمر نے داستان کی تفصیل یوں بتائی:

میں اور انصار میں سے ایک شخص مدینہ کے بالائی حصے میں رہائش پذیر تھے جو مرکزی شہر اور مسجد سے خاصا دور تھا۔ ہم نے آپس میں طے کیا کہ ہر کوئی ایک دن چھوڑ کر مدینہ کے مرکزی حصے اور مسجد میں جایا کرے گا اور وہاں پیش آنے والے تازہ واقعات واپس آ کر دوسرے کو سنایا کرے گا۔ ہم اہل قریش مکہ میں اپنی عورتوں پر مسلّط تھے۔[3] مگر مدینہ کے لوگ اس کے برعکس تھے۔ انکی عورتیں ان پر تسلط رکھتی تھیں۔ آہستہ آہستہ یہ بات ہماری عورتوں پر اثر انداز ہونے لگی۔ ایک دن میں نے

---

[1] ابوالاعلیٰ مودودی، پردہ صفحہ ۲۷۰ نقل از موطّا۔ امام مالک۔

[2] ترجمہ: اگر تم دونوں خدا کے آگے توبہ کرو (تو بہتر ہے کیونکہ) تمہارے دل ٹیڑھے ہو گئے ہیں (سورۂ تحریم۔ آیت ۴)۔ یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج بی بی عائشہ اور حفصہ سے متعلق ہے جن سے آپ نے راز کی بات کی تھی مگر وہ خطا کی مرتکب ہوئیں اور انہوں نے اسے فاش کر دیا۔

[3] ایک اور روایت جسے صحیح مسلم کی چوتھی جلد میں صفحہ ۱۰۹ پر نقل کیا گیا ہے، وہ یہ ہے کہ حضرت عمر کہتے تھے کہ وَاللّٰهِ اِنۡ كُنَّا فِي الۡجَاهِلِيَّةِ مَا نَعُدُّ لِلنِّسَاءِ اَمۡرًا حَتّٰى اَنۡزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيۡهِنَّ مَا اَنۡزَلَ ←

اپنی بیوی پر برہمی کا اظہار کیا۔ میری توقع کے خلاف اس نے مجھے جواب دیا۔ میں نے بگڑ کر کہا: تم مجھے جواب دینے لگی ہو؟ اس نے کہا: شاید تمہیں معلوم نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیویاں ان سے کوئی جھجک نہیں رکھتیں اور آپ سے تین پانچ کرتی ہیں اور ایسا بھی ہوا ہے کہ آپ کی زوجہ تمام دن آپ سے ناراض رہی ہے۔ یہ سن کر مجھے سخت غصہ آیا۔ میں نے کہا: خدا کی قسم! رسول خداؐ سے ایسا کرنے والا بڑا بدنصیب ہے۔ میں نے فوراً اپنا لباس تبدیل کیا اور شہر میں اپنی بیٹی حفصہ کے پاس پہنچا اور اس سے کہا: میں نے سنا ہے کہ تم تمام دن رسول اللہؐ کی ناراضگی کا سبب بنی رہی ہو۔ اس نے کہا: ہاں یہ درست ہے۔ میں نے کہا: میری بچی! تم نے اپنا سب کچھ کھو دیا اور تمہیں یہ کیا بھروسا ہے کہ خداوند عالم جناب رسالتمآبؐ کی خاطر تم پر غضبناک نہ ہو۔ سنو بیٹی! آج کے بعد رسول اللہؐ کو تیزی نہ دکھانا اور نہ ہی انہیں آزردہ کرنا۔ تمہیں جس چیز کی ضرورت ہو مجھ سے کہو اور اگر تم اپنی رقیب (بی بی عائشہ) کو اپنے سے زیادہ خوبصورت پاتی ہو تو اس میں ناراض ہونے کی بات نہیں۔ بات گئی گزری ہو گئی۔ ان دنوں ہمیں شام کی جانب سے غسانیوں کے حملے کا خوف تھا۔ ہم نے یہ خبر سنی تھی کہ وہ لوگ ہم پر حملے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ ایک دن جب میرے انصاری دوست کی شہر میں جانے کی باری تھی اور میں گھر میں تھا، میں نے دیکھا کہ رات کے وقت کوئی زور زور سے میرا دروازہ پیٹ رہا ہے۔ میں گھبراہٹ کے عالم میں باہر نکلا تو اس نے خبر دی کہ ایک بہت بڑا حادثہ رونما ہوا ہے۔ میں نے کہا کیا غسانیوں نے حملہ کر دیا ہے؟ اس نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی عورتوں سے کنارا کر لیا ہے۔ میں نے کہا اُف! حفصہ بے آسرا ہو گئی۔ مجھے پہلے ہی اس کا خدشہ تھا اور میں نے حفصہ کو خبردار بھی کر دیا تھا۔

میں نے علی الصبح لباس تبدیل کیا اور نماز کی ادائیگی کے لیے مسجد روانہ ہوا اور وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ باجماعت نماز ادا کی۔ آپ نماز سے فارغ ہو کر اپنے مخصوص کمرے میں داخل ہوئے اور سب سے کنارا کر لیا۔ میں حفصہ سے ملنے گیا۔ وہ ایک گوشہ میں بیٹھی رو رہی

وَقَسَمَ لَهُنَّ مَا قَسَمَ ....." یعنی خدا کی قسم ہم عہد جاہلیت میں عورتوں کے لیے کسی برتری کے قائل نہیں تھے۔ یہاں تک کہ خداوند عالم نے ان کے بارے میں آیتیں نازل فرمائیں اور ان کے حقوق و مفادات کا تعین کیا۔

تھی۔ میں نے کہا: تم کیوں رو رہی ہو؟ کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس قدر نہ ستایا کرو۔ اچھا بتاؤ کیا انہوں نے تمہیں طلاق دیدی ہے؟ اس نے کہا: مجھے نہیں معلوم! میں بس اتنا جانتی ہوں کہ انھوں نے ہم سب سے کنارا کر لیا ہے۔ میں مسجد میں پہنچا میں نے دیکھا کہ کچھ لوگ منبر کے گرد جمع ہو کر رو رہے ہیں۔ میں کچھ دیر ان کے پاس بیٹھا لیکن چونکہ میں بہت بے چین تھا اس لیے میں جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حجرے کی سمت گیا۔ دروازے پر ایک حبشی غلام بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے اس سے کہا کہ جاؤ اور جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہو کہ عمر اندر آنے کی اجازت چاہتا ہے۔ غلام گیا اور اس نے واپس آکر کہا کہ میں نے اطلاع پہنچائی مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سکوت اختیار کیا ہے۔ یہ سن کر میں منبر کے گرد جمع ہونے والے لوگوں میں واپس لوٹا اور کچھ دیر وہاں گزاری۔ مگر مجھ سے رہا نہ گیا۔ میں نے پھر واپس آکر دربان سے ملاقات کی اجازت چاہی۔ وہ اندر گیا اور آکر پھر یہی کہا کہ میں نے اجازت طلب کی مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب نہیں دیا۔ میں تیسری مرتبہ منبر کے گرد جمع ہونے والوں کے درمیان پہنچا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ناراضگی کی بنا پر فکرمند تھے لیکن پھر مجھ سے بیٹھا نہ گیا۔ تیسری بار پھر میں نے دربان سے جا کر داخلے کی اجازت چاہی۔ اس نے پھر لوٹ کر یہی کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سکوت اختیار کر رکھا ہے۔ میں مایوسی کے ساتھ واپس جانے لگا۔ اچانک دربان نے آواز دی اور کہا پیغمبر نے تمہیں اجازت دیدی ہے۔ اب تم آسکتے ہو۔ جب میں اندر داخل ہوا تو میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہلو کے بل فرش زمین پر لیٹے ہوئے تھے۔ آپ کے سرہانے کھجور کی چھال کا تکیہ تھا اور آپ کے بدن پر کنکریوں کے نشانات پڑ گئے تھے۔

میں نے سلام کیا اور کھڑے ہو کر عرض کی: اے اللہ کے رسولؐ! سننے میں آیا ہے کہ آپ نے اپنی ازواج کو طلاق دیدی ہے۔ کیا یہ سچ ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں! میں نے کہا: اللہ اکبر اور کھڑے کھڑے گفتگو شروع کی۔ میں چاہتا تھا کہ دل لگی کا کوئی راستا کھل جائے۔ میں نے کہا: ہم قریش کے لوگ جب تک مکہ میں تھے اپنی عورتوں پر مسلط تھے۔ اب ہم اس شہر میں آگئے ہیں اور بدبختی سے یہاں کی عورتیں مردوں پر مسلط ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

یہ سن کر تبسم فرمایا۔ میں نے اپنی بات جاری رکھی اور کہا کہ میں نے پہلے ہی حفصہ کو کہہ دیا تھا کہ اگر عائشہ تم سے زیادہ خوبصورت اور زیادہ محبوب ہے تو اس میں جھنجلاہٹ کی کوئی بات نہیں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرے پر تھوڑی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ یہ دیکھ کر میں نے بیٹھنے کی جرأت کی اور اپنے اطراف میں دیکھا مگر مجھے کوئی چیز نظر نہیں آئی سوائے بکری کی تین کھالوں کے جو ایک کونے میں رکھی ہوئی تھیں۔میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کی امت کو ترقی عنایت فرمائے اسی طرح جس طرح روم اور فارس کے لوگ نعمتوں سے مالامال ہیں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو تکیے کے سہارے آرام فرما رہے تھے اچانک اٹھ بیٹھے اور فرمایا: یہ آسائشیں لطف الٰہی کی دلیل نہیں ہیں۔ انہوں نے ان نعمتوں کو آخرت کی بجائے اسی دنیا میں خداوند عالم سے حاصل کرلیا ہے۔میں نے عرض کی: میں اپنی بات پر نادم ہوں۔آپ میرے حق میں دعائے مغفرت فرمائیں۔

اس کے بعد ایک ماہ تک رسول اکرمؐ اپنی بیویوں سے الگ رہے۔وجہ یہ تھی کہ بی بی حفصہ نے ایک راز بی بی عائشہ پر ظاہر کردیا تھا۔(نہ یہ کہ، جیسا کہ عمر نے سمجھا تھا، ازواج رسولؐ کچھ زیادہ زبان چلانے لگی تھیں، جس سے آنحضرتؐ کو تکلیف ہوتی تھی، اس لیے آپ نے ان سے بول چال ترک کردی تھی) ایک ماہ بعد آپ نے اپنی ازواج سے رجوع فرمایا۔اس دوران آیہ تخییر نازل ہوچکی تھی جس میں کہا گیا تھا کہ اگر ازواج رسول میں سے کوئی اپنی ازدواجی زندگی سے ناخوش ہے تو رسولؐ کو چاہیے کہ وہ نہایت خوش اسلوبی سے کافی مال کے ساتھ اسے اس کے امر میں آزاد کردیں تاکہ وہ جہاں چاہے چلی جائے اور جس سے چاہے زندگی کا بندھن جوڑلے اور جو اسی سادہ زندگی کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کے ساتھ نباہ کرنا چاہے وہ ان کے ساتھ ازدواج قائم رکھ سکتی ہے۔سب نے کمال رضایت سے کہا: ہم خدا اور رسولؐ کو اپنے لیے منتخب کرتی ہیں اور زوجیت کے اس افتخار کو اپنے ہاتھ سے کھونا نہیں چاہتیں۔"[1]

ہاں تو یہ ہے افراط و تفریط کے درمیان اسلام کی روش! جیسا کہ ہم عرض کرچکے ہیں کہ اسلام

---

[1] صحیح بخاری جلد ۷ صفحات ۳۶/۳۸۔ صحیح مسلم جلد ۴ صفحات ۱۹۲/۱۹۴۔

جنسی آزادی کے خطرات سے بخوبی واقف ہے اور اسی لیے اجنبی مرد وزن کے میل جول اور تعلقات کے سلسلے میں بڑی احتیاط سے کام لیتا اور ان حدود کا تعین کرتا ہے کہ جن کی پابندی کرنے سے کوئی فساد رونما نہ ہو۔ مختصر یہ کہ وہ عورتوں کو مردوں سے دور رکھنے کا حامی ہے۔

اسلام عورتوں کو مسجد میں نماز ادا کرنے کی اجازت دیتا ہے مگر مردوں کے اختلاط کے ساتھ نہیں۔ وہ ان کے لیے علٰحدہ مقام کا تعین کرتا ہے۔ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دور حیات میں عورتوں کے مسجد میں داخلے کے لیے ایک خاص دروازے کا تعین فرمایا۔ ایک دن آپ نے دروازے کی طرف اشارہ کرکے فرمایا:

"لَوْ تَرَكْنَا هٰذَا الْبَابَ لِلنِّسَاءِ" یعنی اچھا ہے کہ اس دروازے کو عورتوں کے لیے مخصوص کر دیا جائے۔

بعد میں حضرت عمر نے صریحاً مردوں کو اس دروازے سے آنے کی ممانعت کر دی[۱] نیز یہ بھی کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ حکم دیا تھا کہ نماز شب کے اختتام پر پہلے عورتوں کو باہر جانے کا موقع دیا جائے' پھر مرد باہر نکلیں۔ آپ کو یہ بات پسند نہیں تھی کہ مرد وزن اختلاط کے ساتھ مسجد سے باہر نکلیں اس لیے کہ فتنے اسی اختلاط سے ابھرتے ہیں۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مرد وزن کے اختلاط اور تقرب سے بچنے کے لیے یہ حکم فرماتے تھے کہ مرد شاہراہوں اور گلی کوچوں میں کنارے سے ہٹ کر اور عورتیں کنارے کے ساتھ ساتھ چلیں[۲]

ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد سے باہر تشریف فرما تھے۔ آپ نے دیکھا کہ مرد وزن ساتھ ساتھ مسجد سے نکل رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر آپ نے عورتوں سے فرمایا: بہتر یہ ہے کہ آپ مردوں کے نکل جانے تک صبر کریں۔ آپ کنارے کنارے چلیں اور مرد راستے کے درمیان چلیں[۳]

---

[۱] سنن ابو داؤد جلد ۱ صفحہ ۱۰۹
[۲] کافی جلد ۵ صفحہ ۵۱۸
[۳] سنن ابو داؤد جلد ۲ صفحہ ۶۵۸

اسی مناسبت سے فقہاء فتویٰ دیتے ہیں کہ عورتوں اور مردوں کا ایک ساتھ ملکر چلنا مکروہ ہے۔ مرحوم آیت اللہ سید محمد کاظم طباطبائی یزدی (قدس سرہ) فرماتے ہیں:
"یُکْرَہُ اخْتِلَاطُ الرِّجَالِ بِالنِّسَآءِ اِلَّا لِلْعَجَآئِزِ" یعنی مردوں اور عورتوں کا اختلاط مکروہ ہے۔ مگر وہ عورتیں جو سن رسیدہ ہوں۔[۱]

سچ تو یہ ہے کہ جس کسی کا دل بیمار نہ ہوگا وہ تسلیم کرے گا کہ اسلام کا راستہ معتدل اور متوازن ہے۔ اسلام نے جہاں جنسی روابط میں پاکیزگی کا خیال رکھا ہے وہاں عورتوں کو اپنی صلاحیتیں بروئے کار لانے کی ممانعت نہیں کی بلکہ یہ اہتمام کیا کہ اگر یہ طریقہ روبعمل لایا جائے تو انسان کی روح سلامت رہے گی۔ گھریلو روابط میں خلوص پیدا ہوگا اور معاشرے میں مرد و زن صحیح طور پر فعال کردار ادا کر سکیں گے۔

اخلاقی تاکیدات

اصول کافی میں اس مضمون کی بعض روایات نقل ہوئی ہیں کہ مرد کی توجہ زمین پر ہے اور عورت کی مرد پر، پس عورتوں کو گھروں میں بند کردو۔

خود صاحبِ کافی ثقۃ الاسلام محمد یعقوب کلینی کا خیال ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ لڑکیوں کو جس قدر ہوسکے شادی کے بندھن میں باندھ دو۔

اس کے علاوہ دوسری متعدد روایات موجود ہیں جن کو عورتوں کے متعلق مردوں کو اخلاقی تاکیدات کہا جا سکتا ہے تاکہ وہ عورتوں کے ساتھ مردوں کے میل جول کے خطرات سے آگاہ رہیں۔ صاحبِ وسائل نے ان روایات کو استحباب پر محمول کیا ہے۔ ہم ان کے اہم ٹکڑے نقل کرتے ہیں:

۱۔ امیر المومنین امام علی علیہ السلام اپنے بیٹے امام حسنؑ کو یوں وصیت فرماتے ہیں:
"وَاکْفُفْ عَلَیْھِنَّ مِنْ اَبْصَارِھِنَّ بِحِجَابِکَ اِیَّاھُنَّ، فَاِنَّ شِدَّۃَ الْحِجَابِ

---

[۱] عروۃ الوثقیٰ پہلی فصل مسئلہ ۴۹۔

اَبْقِیٰ عَلَیْهِنَّ، وَلَیْسَ خُرُوْجُهُنَّ بِاَشَدَّ مِنْ اِدْخَالِكَ عَلَیْهِنَّ مَنْ لَّا یُوْثَقُ بِهٖ عَلَیْهِنَّ وَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَلَّا یَعْرِفْنَ غَیْرَكَ فَافْعَلْ۔[1]

یعنی "جہاں تک ہوسکے ایک کام کرو اپنی بیوی کو غیر مردوں سے میل جول نہ رکھنے دو۔ عورت کی گھر سے بہتر کوئی چیز حفاظت نہیں کرتی۔ جیسے کہ عورتوں کا گھر سے باہر جانا اور گھر سے باہر غیر مردوں سے میل جول رکھنا انکے لیے مضر اور خطرناک ہے۔ اسیطرح غیر مردوں کا انکے پاس گھر کے اندر آنا اور غیر مردوں کو ان سے ملنے جلنے کی اجازت دینا بھی خطرناک ہے۔ اگر ہوسکے تو ایسا کرو کہ اپنے سوا کسی مرد سے انکی واقفیت ہی نہ ہونے دو۔"

یہ ایک اخلاقی تاکید ہے۔ علمائے اسلام اس جملے کو اخلاقی تاکیدات کے زمرے میں لاتے ہیں لیکن اگر اس کی تعبیر کو ہم پر چھوڑ دیا جاتا تو ہم شاید "اخلاقی تاکیدات" سے کہیں آگے نکل گئے ہوتے بلکہ ہمارا فیصلہ چہرے اور ہاتھوں کو چھپانے سے بھی زیادہ شدید ہوتا اور ہم یہی استنباط کرتے کہ عورت کو گھر کی چار دیواری میں محبوس ہو جانا چاہیے۔ تاہم فقہاء نے اس مضمون کی تعبیر میں ایسا فتویٰ اس لیے نہیں دیا کہ آیات، روایات اور سیرت اہل بیتؑ سے متعلق قطعی دلائل ان تعبیرات کے خلاف ہیں اور اسی لیے اس جملے کو فقہی کے بجائے اخلاقی تعبیرات میں شمار کیا گیا ہے۔

اسی طرح کے مضامین سے فقہاء نے استنباط کیا ہے کہ ایسی گفتگو دراصل دو مخالف جنسوں کے درمیان نفسیاتی ردعمل کو ظاہر کرنے کے لیے ہوتی ہے اور اس میں شک نہیں کہ یہ ایک حقیقت کو پیش کرتی ہے کہ اجنبی مرد و زن کا ایک دوسرے سے ربط ضبط قطعی طور پر خطرناک ہے اور یہ وہ چکنی مٹی ہے جس پر بڑے بڑے ہاتھی بھی پھسل جایا کرتے ہیں۔

کم سے کم اخلاقی طور پر اسلام جس بات کی تاکید کرتا ہے وہ یہ ہے کہ جہاں تک ہوسکے لوگوں کا اجتماع مخلوط نہ ہو۔

آج کا معاشرہ مخلوط اجتماع کی تباہ کاریوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔ کیا یہ ضروری ہے کہ عورتیں، مردوں کے دوش بدوش رہ کر اپنے کاموں کو انجام دیں۔ اگر وہ دو

---

[1] نہج البلاغہ

علٰحدہ حصوں میں اپنی سرگرمیوں کو جاری رکھیں تو کیا اس میں کوئی حرج یا رکاوٹ ہے؟

اس دوش بدوش رہنے کے طرزِ عمل کا اثر یہ ہے کہ یہ دونوں ہمدوشوں کو اپنے فرائض سے باز رکھتا ہے اور وہ کام پر توجہ دینے کی بجائے اپنے ہمدوش پر توجہ دینے لگتے ہیں۔ یہاں تک کہ بات ہمدوشی سے ہم آغوشی تک پہنچ جاتی ہے۔

ب: حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا سے ایک حدیث منقول ہے۔ ہر چند فقہاء اس حدیث سے استناد نہیں کرتے لیکن ممکن ہے کہ اس سے اس موضوع کی صحیح توجیہ ہو سکے۔

ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے لوگوں سے پوچھا: عورت کے لیے سب سے بہتر کیا چیز ہے؟ کوئی جواب نہ دے سکا۔ امام حسن علیہ السلام اس مجمع میں حاضر تھے۔ آپ نے گھر آ کر اس کا تذکرہ اپنی والدہ گرامی سے کیا۔ حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا نے فرمایا: "عورت کے لیے سب سے بہتر چیز یہ ہے کہ وہ کسی اجنبی مرد کو نہ دیکھے اور اجنبی مرد اسے نہ دیکھے"۔[1]

یہ حدیث اخلاقی تاکیدات میں سے ہے اور نامحرم مرد و زن کی ایک دوسرے سے دوری کی اہمیت کو بیان کرتی ہے۔ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ اس ضمن میں آنے والی تمام رخصتیں تنگنائے کو دور کرنے کے لیے ہیں لیکن ستر پوشی کی اخلاقی اہمیت، مرد و زن کی ایک دوسرے سے دوری اور ان دونوں کے درمیان حدودِ امکان میں پردے کی برقراری اپنی جگہ پر اہمیت کی حامل ہے۔

ج: رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے امام علی علیہ السلام سے فرمایا: "یَا عَلِیُّ اَوَّلُ نَظْرَۃٍ لَّکَ وَالثَّانِیَۃُ عَلَیْکَ لَا لَکَ"۔[2] اے علی! پہلی نگاہ تمہارے لیے بن مول ہے

---

[1] وسائل جلد ۳ صفحہ ۹۔ نقل از کشف الغمہ۔

[2] وسائل جلد ۳ صفحہ ۲۴۔ یہی مضمون سنن ابو داؤد جلد ۱ صفحہ ۴۹۶ میں اس عبارت کے ساتھ آیا ہے: "یَا عَلِیُّ! لَا تُتْبِعِ النَّظْرَۃَ بِالنَّظْرَۃِ فَاِنَّ لَکَ الْاُوْلٰی وَلَیْسَتْ لَکَ الْاٰخِرَۃُ"۔ بعض شیعی روایات بھی اسی مضمون سے ملتی جلتی ہیں جن میں وسائل الشیعہ کی روایات بھی شامل ہیں۔

لیکن دوسری نگاہ تمہارے لیے فائدے مند نہیں بلکہ نقصان دہ ہوگی۔

اس بات میں اختلاف ہے کہ آیا یہ حدیث بیان حکم کے لیے ہے یا اس اثر کے بیان میں ہے جو فطرتاً نگاہ میں موجود ہوتا ہے۔ شرائع الاسلام کے مؤلف محقق طوسی اور علامہ حلّی جیسے بعض علماء کا خیال ہے کہ یہ حدیث احکام نگاہ کو ظاہر کرتی ہے۔ حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ پہلی نگاہ جائز ہے اور دوسری حرام۔ بعض کا کہنا ہے کہ عمداً دیکھنا مطلقاً حرام ہے اور پہلی نگاہ اس لیے جائز ہے کہ وہ عمداً نہیں ہوتی۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ حدیث لذت اور شہوت کی نگاہ ڈالنے کی ممانعت کے باب میں آتی ہے جو مطلقاً حرام ہے اور ہمارے موضوع گفتگو سے باہر ہے۔ یہ حدیث اس بات کو ظاہر کرنا چاہتی ہے کہ انسان کی نگاہیں جب کسی حسین چہرے پر پڑتی ہیں تو وہ اسے اچھا معلوم ہوتا ہے اس لیے وہ اسے دوبارہ دیکھنا اور لطف اندوز ہونا چاہتا ہے۔ ایسی صورت میں پہلی نگاہ چونکہ بے ارادہ پڑتی ہے اس لیے اس میں کوئی حرج نہیں لیکن دوسری بار چونکہ لطف اندوزی مقصود ہے اس لیے جائز نہیں۔

د۔ امام جعفر صادق علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں: اَلنَّظْرُ سَهْمٌ مِّنْ سِهَامِ اِبْلِيْسَ مَسْمُوْمٌ وَكَمْ نَظْرَةٍ اَوْرَثَتْ حَسْرَةً طَوِيْلَةً۔[1] یعنی نگاہ ناز شیطان کے زہر آلود تیروں میں سے ایک تیر ہے۔ کتنی ہی ایسی نگاہیں ہیں جو اپنے ساتھ طویل حسرت و یاس لاتی ہیں۔

ایک اور حدیث میں ہے: زِنَاءُ الْعَيْنَيْنِ النَّظَرُ[2] آنکھوں کا زنا نگاہ ہے۔

ان دونوں احادیث کا تعلق بھی شہوت آلود نگاہوں سے ہے اور ممکن ہے کہ برنبائے احتیاط یہ ایک اخلاقی تاکید ہو۔

نہ پابندی نہ آزادی

مجموعی طور پر جو کچھ بیان کیا جا چکا ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نہ تو عورت

---

[1] وسائل جلد ۳ صفحہ ۲۴
[2] کافی جلد ۵ صفحہ ۵۵۹ اور وسائل جلد ۳ صفحہ ۲۴۔

کو گھر کی چار دیواری میں پابند کرنے کا حامی ہے جیسا کہ مخالفین اسلام، اسلام پر الزام دھرتے ہیں اور نہ ہی ایسی مادر پدر آزادی کا حامی ہے جسے آجکل کی دنیا نے اپنا رکھا ہے۔ ہماری مراد محفلوں میں مرد و زن کا مخلوط اجتماع ہے۔

عورت کو مکمل طور پر گھر کی چار دیواری میں پابند کرنا ایک طرح کی سزا تھی جسے عارضی طور پہ بدکار عورتوں پر لاگو کیا گیا تھا۔

وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَۃَ مِنْ نِّسَآئِکُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَیْهِنَّ اَرْبَعَۃً مِّنْکُمْ۔ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِکُوْهُنَّ فِی الْبُیُوْتِ حَتّٰی یَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ یَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِیْلاً۔

تمہاری جو عورتیں زنا کی مرتکب ہوتی ہیں پہلے ان پر چار گواہ فراہم کرو۔ اگر چاروں نے (سنت میں بیان شدہ تفصیل کے مطابق) گواہی دی تو تم انہیں ان کی عمر کے اختتام تک گھروں میں محبوس کر لو یا پھر خدا ان کے لیے دوسری راہ معین کر دے۔ (سورۂ نساء۔ آیت ۱۵)

مفسرین کا کہنا ہے کہ دوسری راہ سے مراد اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ حکم عارضی ہے اور آگے چل کر دوسرا حکم ان کے لیے آئے گا اور وہ دوسرا حکم سورۂ نور کی دوسری آیت ہے جو زانی اور زانیہ کی سزا کو معین کرتی ہے۔

مراد یہ ہے کہ اسلام محض مرد و زن کے بے قید اختلاط کا مخالف ہے نہ اس بات کا کہ عورت محافل میں شرکت نہ کرے خواہ اس نے پردے کی رعایت کا پورا خیال رکھا ہو۔

اسلام کا کہنا یہ ہے کہ نہ علیحدگی نہ یکجائی بلکہ پردہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے سے مسلمانوں کی روش یہی رہی ہے کہ عورتوں کو مجالس و محافل میں شرکت سے نہیں روکا گیا۔ تاہم پردے کی رعایت ہمیشہ ملحوظ رکھی گئی ہے۔ مسجد ہو یا محفل، یہاں تک کہ کوچہ و بازار میں بھی عورت مرد کے پہلو بہ پہلو نہیں رہی ہے۔ بعض مقدس مزاروں پر جہاں بے پناہ ہجوم ہوتا ہے مردوں اور عورتوں کی باہمی شرکت شارع اسلام کی مرضی کے خلاف ہے۔

فتاویٰ

ہم نے اب تک پردے اور نگاہ ڈالنے کے حدود سے متعلق موافق و مخالف دلائل نیز عورتوں اور مردوں کے مجموعی روابط کے بارے میں کتاب وسنت کے احکامات بیان کیے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ عورت کے لیے چہرہ اور کلائی تک دونوں ہاتھ چھپانا واجب نہیں ہے۔ اس کے علاوہ یہ مدارک اس نگاہ کو بھی جائز قرار دیتے ہیں جو ریبہ اور تلذذ کی نگاہ نہ ہو۔

اب ہمیں دیکھنا ہے کہ اس موضوع پر کیا کیا فتوے دیے گئے ہیں۔ ہر شخص جانتا ہے کہ علمائے اسلام نے صدر اول سے آج تک ان دونوں اہم مسائل کے باب میں کس طرح کے فتوے دیے ہیں؟

سب سے پہلے یہ دیکھنا ہے کہ چہرے اور کلائیوں تک دونوں ہاتھوں کو چھپانے کے بارے میں فقہائے اسلام کا کیا نظریہ ہے اور نگاہ ڈالنے کے باب میں وہ کیا کہتے ہیں۔ اس موضوع پر شیعہ و سنی علماء میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ چہرے اور کلائی تک دونوں ہاتھوں کا چھپانا واجب نہیں ہے۔ البتہ اہل تسنن کے صرف ایک عالم ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن ہشام اس نظریے کے مخالف ہیں۔ البتہ یہ معلوم نہیں کہ ان کا یہ اختلاف نماز سے متعلق ہے یا نامحرم سے متعلق ہے۔

چہرے کے بارے میں کسی قسم کا اختلاف نہیں ہے۔ تاہم بعض علماء نے کلائی تک دونوں ہاتھوں یا پنڈلیوں تک دونوں پیروں کے بارے میں اختلاف کیا ہے کہ آیا ان کا شمار استثناء میں ہوتا ہے یا نہیں؟

فقہی مسائل میں غالباً بہت کم ایسے مسئلے ہیں کہ جن میں شیعہ سنی علماء کے درمیان اس طرح کا اتفاق رائے پایا جاتا ہو۔

اس ضمن میں علماء کے اقوال نقل کرنے سے پہلے دو باتوں کا تذکرہ ضروری ہے۔ ایک یہ کہ عورت کے اپنے بدن کو پوری طرح ڈھانپنے کے مسئلے میں فقہاء دو مقامات کا تعین کرتے ہیں۔ ایک وقت نماز کیونکہ نماز میں عورت پر لازم ہے کہ وہ اپنے تمام بدن کو ڈھانپے خواہ وہاں کوئی نامحرم ہو یا نہ ہو۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ چہرہ اور کلائی تک دونوں ہاتھوں کو بھی

نماز میں چھپایا جانا چاہیے یا نہیں؟

دوسرے نکاح کے باب میں کہ لڑکا کس حد تک اپنی پسندیدہ لڑکی کو دیکھ سکتا ہے۔ یہاں بھی عام طور پر اپنے آپ کو چھپانے یا نظر کے جواز اور عدم جواز کے بارے میں ایک مکمل بحث کی جاتی ہے۔

تاہم فقہ کی رو سے ہمارے پاس دو طرح کے سَتر ہیں۔ ایک سَترِ صلوٰتی جو نماز سے متعلق ہے اور جس کے ساتھ پاک ہونے اور غصبی نہ ہونے جیسے کچھ شرائط وابستہ ہیں اور دوسرے سَترِ غیرِ صلوٰتی کہ جس کی رعایت نامحرم لوگوں کے ضمن میں ضروری ہے۔ اس میں سترِ صلوٰتی جیسی خاص شرائط نہیں ہیں۔ یہ بات بعد میں سامنے آئے گی کہ سترِ صلوٰتی اور سترِ غیرِ صلوٰتی میں حدود اور مقدار کے اعتبار سے بظاہر کوئی اختلاف نہیں ہے۔

دوسری بات یہ کہ فقہاء ایک خاص اصطلاح استعمال کرتے ہیں اور کہتے ہیں: چہرے اور کلائی تک دونوں ہاتھوں کے علاوہ خواتین کا تمام بدن عَورَت ہے۔ ممکن ہے یہ تعبیر بعض افراد پر گراں گزرے کیونکہ ان کے نزدیک عَورَت ایک قبیح شے ہے۔ کیا اسلامی فقہ کے اعتبار سے چہرے اور کلائیوں کے علاوہ عَورَت کا بدن ایک قبیح شے ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ عَورَت کا لفظ ایک بُری اور قبیح شے کے مفہوم میں نہیں ہے اور ہر قبیح شے کو عورت نہیں کہا جاتا بلکہ اس کے برعکس عورت کا لفظ اس موقع پر استعمال کیا جاتا ہے جہاں برائی اور قباحت کا مفہوم نہیں نکلتا۔

مثلاً قرآن مجید غزوۂ احزاب کے موقع پر بہانہ جوئی کرنے والے بعض ضعیف الایمان افراد کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتا ہے:

وَيَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ۔ اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا

ان میں کا ایک گروہ پیغمبرؐ سے واپس جانے کی اجازت مانگنے اور کہنے لگا کہ ہمارے گھر کھلے پڑے ہیں حالانکہ وہ کھلے نہیں تھے۔ وہ تو صرف بھاگنا چاہتے تھے۔ (آیت ۱۳)

یہاں گھر کے سلسلے میں عورت کا لفظ غیر محفوظ ہونے کے معنی میں آیا ہے اور ظاہر ہے اس سے برائی یا قباحت کا کوئی مفہوم نہیں نکلتا۔ سورۂ نور کی ۵۹ ویں آیت میں کہ جس کی تفسیر پہلے

ہو چکی ہے، نماز صبح سے پہلے، دوپہر اور بعد عشار کے اوقات کو "تین عورات" کا نام دیا گیا ہے کیونکہ اس وقت استراحت کی غرض سے اوپری لباس اتار دیا جاتا ہے اور ان کے بدن دیکھنے والوں کی نظر سے غیر محفوظ ہوتے ہیں۔

صاحب مجمع البیان جو الفاظ کے تجزیہ اور تحلیل کے اعتبار سے مفسروں میں بے نظیر اور غیر مفسروں میں کم نظیر سمجھے جاتے ہیں، سورۂ احزاب کی تیرھویں آیت کے ذیل میں لغت کا مفہوم پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"وَالْعَوْرَةُ كُلُّ شَيْءٍ يُتَخَوَّفُ مِنْهُ فِي ثَغْرٍ اَوْ حَرْبٍ وَ مَكَانٌ مُعْوِرٌ وَ دَارٌ مُعْوَرَةٌ اِذَا لَمْ تَكُنْ حَرِيْزَةً"

یعنی ہر شے کو جو نقصان کے خطرے سے دوچار اور تشویش کا باعث ہو عورت کہا جاتا ہے، جیسے سرحدی علاقے یا جنگ سے متعلق کوئی بات۔ خانۂ معور اس مکان کو کہا جاتا ہے جو مستحکم نہ ہو اور جس کے گرنے کا ہر وقت دھڑکا لگا رہتا ہو۔

پس معلوم ہوا کہ عورت کی یہ فقہی تعبیر تحقیری نوعیت کی نہیں ہے۔ عورت کو عورت اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ ایک بے حصار گھر کی مانند ہے اور کبھی بھی کسی نقصان سے دوچار ہو سکتی ہے لہٰذا اس کے حصار کے لیے پردہ ضروری ہے۔

اب ہم فقہار کے اقوال پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔ علامہ حلیؒ تذکرۃ الفقہاء کی کتاب الصلاۃ میں فرماتے ہیں:

تمام علمار کا متفقہ فیصلہ ہے کہ سوائے چہرے کے خواتین کا تمام بدن عورت ہے۔ اس فیصلہ میں ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن ہشام کی رائے مختلف ہے اور وہ چہرے کو مستثنیٰ قرار نہیں دیتے اسی لیے ان کی رائے بحکم اجماع ناقابل قبول ہے۔ ہمارے (شیعہ) علمار کے نزدیک کلائی تک دونوں ہاتھ بھی چہرے کا حکم رکھتے ہیں اور وہ عورت نہیں ہیں۔ اس سلسلے میں مالک بن انس، شافعی، اوزاعی اور سفیان ثوری علمائے شیعہ کے ساتھ ہیں اس لیے کہ ابن عباس وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا کی تفسیر میں چہرے اور کلائی تک دونوں ہاتھوں کو یکساں طور پر پردے سے مستثنیٰ شمار کرتے ہیں لیکن احمد بن حنبل اور داؤد ظاہری کے نزدیک کلائیوں سمیت ہاتھوں

کا چھپانا ضروری ہے۔ تاہم ابن عباس کا قول ان کے ردّ کے لیے کافی ہے۔

اس کے بعد علامہ حلیؒ پاؤں کے چھپانے کے بارے میں گفتگو کو آگے بڑھاتے ہیں۔

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ فقہائے اسلام نے ستر صلوٰۃ کے باب میں سورۂ نور کی آیت سے استفادہ کیا ہے جو نماز سے متعلق نہیں ہے کیونکہ بدن کے وہ حصے جو نماز میں چھپے ہوئے ہونے چاہئیں، نامحرم کے سامنے بھی ان کا چھپانا ضروری ہے۔ غالباً گفتگو اس بات میں ہے کہ کیا نماز میں نامحرم کے سامنے آنے کی شرط سے زیادہ بدن کے حصوں کا ڈھانپنا ضروری ہے؟ لیکن اس بارے میں بحث کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ جن حصوں کا نماز میں کھلا رہنا روا ہے نامحرم کے سامنے بھی ان کا ڈھانپنا ضروری نہیں ہے۔

اندلس کے مشہور فقیہہ طبیب اور فلسفی ابن رشد "بدایۃ المجتہد"[1] میں لکھتے ہیں:

"بیشتر علماء کا یہ خیال ہے کہ چہرے اور کلائی تک دونوں ہاتھوں کے علاوہ خواتین کا تمام بدن عورت ہے۔ ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ خواتین کے دونوں پاؤں بھی عورت میں شامل نہیں، لیکن ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن ہشام کا خیال ہے کہ خواتین کا تمام بدن بلا استثناء عورت ہے۔"

شیخ جواد مغنیہ الفقہ علی المذاہب الخمسہ[2] میں لکھتے ہیں:

علمائے اسلام اس بات پر متفق ہیں کہ ہر عورت اور ہر مرد پر لازم ہے کہ وہ اعضاء جو حالت نماز کے علاوہ بھی چھپائے جانے کا حکم رکھتے ہیں حالت نماز میں بھی ان کے وہی اعضاء چھپائے جائیں گے۔ اختلاف اس بات میں ہے کہ نماز میں اس ستر عورت کے حدود بڑھ جاتے ہیں یا وہی رہتے ہیں؟ عورتوں کے بارے میں گفتگو یہ ہے کہ کیا چہرے اور کلائی تک دونوں ہاتھ یا انکا کچھ حصہ نماز میں چھپانا ضروری ہے یا نہیں؟ کیونکہ عام حالت میں انکو چھپانا ضروری نہیں ہے اور مردوں کے بارے میں گفتگو یہ ہے کہ کیا ان کے لیے بوقت نماز ناف اور گھٹنوں سے بڑھ کر دیگر اعضاء کا چھپانا بھی ضروری ہے یا نہیں؟

اس کے بعد وہ کہتے ہیں:

---

[1] جلد اول صفحہ ۱۱۱ [2] صفحہ ۱۱۳

"علمائے شیعہ امامیہ کے نزدیک عورت پر حالت نماز میں بس وہی ستر واجب ہے جو ایک نامحرم کے سامنے جاتے ہوئے اس پر واجب ہے۔"

اس سلسلے میں علماء کے اقوال کا بیان بہت طویل ہو جائے گا۔ گزشتہ علماء نے اپنی کتابوں میں جہاں بھی گفتگو کی ہے اسی طرح اپنی رائے کا اظہار کیا ہے لیکن عام طور پر فقہاء نے باب الصلوٰۃ میں "مسئلہ پوشش" پر اور باب النکاح میں "مسئلہ نظر" پر ایک دوسرے سے اختلاف کیا ہے۔

عجیب بات یہ ہے کہ بعض فقہائے معاصر نے تذکرہ میں علامہ حلیؒ کے بیان سے یہ اندازہ لگایا ہے کہ چہرے کا ڈھانپنا واجب ہے[1] جو بالکل غلط ہے۔ علامہ حلیؒ کو تذکرہ میں چہرے اور ہاتھوں پر جواز نظر میں دوسروں سے اختلاف ہے نہ کہ پردے میں، جیسے ہم ابھی بیان کریں گے۔

علامہ حلیؒ "تذکرۃ الفقہا" کی کتاب نکاح میں نگاہ کے جواز اور عدم جواز کے بارے میں کہتے ہیں:

"عورت پر مرد کی نگاہ، ضرورت کے تحت ہوتی ہے (کہ جہاں قصد نکاح ہو) یا بلا ضرورت ہوتی ہے۔ اگر بلا ضرورت ہے تو چہرے اور کلائی تک دونوں ہاتھوں کے علاوہ بدن کے کسی اور حصے پر نگاہ ڈالنا جائز نہیں لیکن چہرے اور کلائی تک دونوں ہاتھوں پر نگاہ ڈالنے میں بھی اگر فتنے کا خوف ہو تو پھر ان کا دیکھنا بھی جائز نہ ہوگا لیکن اگر ایسا نہیں ہے تو شیخ طوسیؒ کے نظریے کے مطابق دیکھنے میں کوئی حرج نہیں، البتہ مکروہ ہے۔ شافعی حضرات کی اکثریت بھی اسی خیال سے متفق ہے لیکن ان میں بھی بعض کے نزدیک چہرے اور کلائی تک دونوں ہاتھ دیکھنا حرام ہے۔"

---

[1] آیت اللہ محسن حکیم طباطبائی، مستمسک العروۃ جلد ۵ صفحات ۱۹۰-۱۹۲ میں چہرے کے کھلا رہنے کے دلائل کو تقویت بخشتے ہوئے فرماتے ہیں: "ومن ذٰلك يظهر ضعف ماعن التذكرة من المنع وقراه فى الجواهر..." ظاہراً مسئلے پر صاحب جواہر کی رائے وجوب ستر کے متعلق نہیں بلکہ مسئلہ نظر کے ضمن میں ہے۔ بہرحال تذکرہ میں علامہ سے اسکی نسبت قطعاً درست نہیں ہے۔

علامہ حلیؒ شافعی مذہب کے پیروکاروں کے دلائل نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"میرے خیال میں بھی چہرے اور کلائی تک دونوں ہاتھ دیکھنا حرام ہے۔"

محقق طوسی شرائع الاسلام میں کہتے ہیں:

چہرے اور ہاتھوں پر نگاہ صرف ایک دفعہ جائز ہے لیکن اس کی تکرار درست نہیں۔ شہید اوّلؒ نے لمعہ میں اور علامہ حلیؒ نے اپنی بعض کتابوں میں اسی نظریے کو اپنایا ہے۔

مجموعی طور پر چہرے اور کلائیوں تک دونوں ہاتھوں کو دیکھنے کے بارے میں تین اقوال ہیں:

(۱) تذکرہ میں علامہ نے اسے مطلق ممنوع قرار دیا ہے اور معدودے چند دیگر علماء نے کہ جن میں صاحب جواہر بھی شامل ہیں اس کی تائید کی ہے۔

(۲) محقق طوسی نے شرائع میں، شہید اوّل نے لمعہ میں اور علامہ حلّی نے اپنی بعض کتب میں ایک دفعہ دیکھنے اور تکرار نظر کی ممانعت کی تائید کی ہے۔

(۳) شیخ طوسی، شیخ کلینی، شیخ انصاری اور صاحب حدائق نے جواز مطلق کے نظریے کی تائید کی ہے۔ اس کے علاوہ شیخ نراقی نے مستند اور شہید ثانی نے مسالک میں اس قول کی تائید کی ہے۔ شہید ثانی نے اس قول کی تائید کرتے ہوئے مسالک میں ان دلائل کو جو علامہ حلّی کے لیے پسندیدہ ہیں اور جن سے شافعیہ استدلال کرتے ہیں رد کیا ہے لیکن آخر میں فرماتے ہیں کہ بے شک حکم تحریم احتیاط اور سلامتی کا راستہ ہے۔

یہاں تک ہم نے پردے اور حرمت نگاہ کے بارے میں علمائے متقدمین کے نظریات کو پیش کیا ہے لیکن علمائے متاخرین میں سے آیت اللہ سید محمد کاظم طباطبائی یزدی مرحوم عروۃ الوثقٰی میں نماز سے ہٹ کر ستر بدن کے باب میں فرماتے ہیں:

"عورت پر واجب ہے کہ وہ چہرے اور کلائی تک دونوں ہاتھوں کے علاوہ اپنے بدن کو نامحرم سے چھپائے۔"[1]

نگاہ ڈالنے کے مسئلے میں آپ فرماتے ہیں:

---

[1] کتاب الصلوٰۃ۔ فصل ساتر

"مرد کا اجنبی عورت کو دیکھنا اسی طرح ناجائز ہے جس طرح عورت کا اجنبی مرد کو دیکھنا ناجائز ہے۔ بعض علماء نے چہرے اور کلائی تک دونوں ہاتھوں کو اس سے مستثنٰی قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ ان پر نگاہ ڈالنا مطلقاً جائز ہے۔ بعض نے ایک بار دیکھنے کو جائز اور زائد بار دیکھنے کو ناجائز کہا ہے جبکہ مطلقاً نہ دیکھنا احوط ہے۔"[1]

لیکن فقہائے متأخر و معاصر نے غالباً ان دو مسائل میں اپنے اپنے رسالۂ عملیہ میں واضح اظہار خیال سے اجتناب برتا ہے اور حسب معمول احتیاط سے کام لیا ہے۔

علمائے متاخرین اور معاصرین میں سے آیت اللہ سید محسن حکیم طباطبائی مرحوم نے منہاج الصالحین کے نویں ایڈیشن میں کتاب النکاح، مسئلہ سوم میں ایک واضح فتویٰ دیا ہے جس میں آپ نے صراحت کے ساتھ چہرے اور کلائی تک دونوں ہاتھوں کو مستثنٰی قرار دیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

"جس عورت سے قصد نکاح ہو اس کو دیکھنا جائز ہے۔ اسی طرح ذمی عورتوں کو بھی دیکھنا جائز ہے مگر قصد لذت نہ ہونے کی شرط کے ساتھ۔ یہی حکم بے پردہ عورتوں کے باب میں بھی ہے جن پر نصیحت اثر انداز نہیں ہوتی، مگر یہاں بھی قصد لذت نہ ہونا شرط ہے اور اسی طرح وہ عورتیں جو کسی نہ کسی عنوان سے محرم ہیں۔ ان کے علاوہ دوسری تمام عورتوں کو دیکھنا حرام ہے۔ مگر یہ کہ ان کے چہرے اور کلائی تک دونوں ہاتھوں کو دیکھ سکتے ہیں۔ مگر قصد لذت نہ ہونا شرط ہے۔"

حس احتیاط

بلاشبہ جواز نظر اور چہرے اور کلائی تک ہاتھوں کے کھلے رہنے کے سلسلے میں صریح فتوے سے گریز کا سبب علماء کی حس احتیاط ہے۔ ہر شخص اپنے ضمیر میں یہ جانتا ہے کہ مرد اور عورت دو الگ الگ خصوصیات کے حامل ہیں۔ عورت خود آرائی اور خود نمائی کی دلدادہ ہے اور مرد تانک جھانک اور نظر بازی کا شوقین ہے۔

---

[1] عروۃ الوثقٰی۔ کتاب النکاح، مسئلہ ۳۱۔

مجلہ" توفیق کی یہ عبارت کس قدر دلچسپ ہے کہ "شعراء عورت کو سرو کے خوشنما درخت سے اس لیے تشبیہ نہیں دیتے کہ وہ راست قامت ہوتا ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ عورت سرو کی طرح سردی اور گرمی سے بے نیاز دونوں موسموں میں برہنہ باہر نکلتی ہے اور سردی کی تکلیف سے ہرگز نہیں گھبراتی۔"

عورتوں کی خودنمائی اور مردوں کی نظربازی کے بارے میں ول ڈیورنٹ لکھتا ہے:

"انسانی افعال و کردار میں اس سے بڑھ کر حیرت انگیز بات کیا ہوسکتی ہے کہ سن رسیدہ لوگ پیرانہ سالی میں عورتوں کے پیچھے دوڑیں اور عورتیں تادم مرگ معشوق اور محبوب بننے کی تمنا کریں۔ عورت میں دل چسپی انسانی کردار کا سب سے مضبوط عنصر ہے۔ دیکھو یہ مکار جانور کس طرح اپنے شکار کے تعاقب میں ہے۔ درآنحالیکہ وہ اپنے آپ کو اخبار پڑھنے میں محو ظاہر کر رہا ہے۔ اس کی طرف توجہ دو اور دیکھو کہ وہ کس طرح اس کو اپنا دائمی اسیر بنانے کی فکر میں ہے۔ اس کا خیال ذہن میں لاؤ اور مشاہدہ کرو کہ وہ کیونکر پروانہ وار شمع کے گرد گھومنے میں مصروف ہے۔ آخر ایسا کیوں ہے؟ یہ بات کیونکر رونما ہوتی ہے؟ لگاؤ کی گہری جڑوں کا تعلق کس چیز سے ہے؟ اور کن مراحل سے گزر کر اس موجودہ مرحلے اور جنون تک پہنچتا ہے؟"

جی ہاں ہم اس بیان شدہ حقیقت کو نظرانداز نہیں کرسکتے۔ تاہم ہم جانتے ہیں کہ پاکدامنی اور تقویٰ اسلام کے اصولوں میں سے ایک حتمی اصول اور معاشرتی قوانین کی بنیادوں میں سے ایک بنیاد ہے۔

اخفا یا اظہار

اسی بنیاد پر اس مسئلے میں عملی طور پر دو صورتیں وجود میں آتی ہیں:

ایک یہ کہ صاحب فتویٰ موجودہ صورت حال کے پیش نظر اپنے جی میں بہت سخت گھبراتے ہیں کہ چہرے اور کلائی تک دونوں ہاتھوں کے چھپانے کے عدم وجوب اور ان پر عدم حرمت نگاہ کے بارے میں فتویٰ صادر کریں، لہٰذا وہ اپنی سلامتی اسی میں سمجھتے ہیں کہ الاحوط کہہ کر اپنی جان بچائیں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ بعض افراد کا عقیدہ ہے کہ اگرچہ حقیقت اور واقعیت کی رو سے مفہوم یہی ہے لیکن اس دور کے پیش نظر جہاں ہر شخص ایک بہلانے کی تلاش میں ہے کہ پردے کے قیود سے جس طرح بھی ہو سکے چھٹکارا حاصل کرے، ضروری ہے کہ ہم حقائق کے ایک حصے کو پوشیدہ رکھیں تا کہ یہ حصہ ان کے لیے بہانہ نہ بنے۔

یہ درست ہے کہ اسلام نے چہرے اور کلائی تک دونوں ہاتھوں کے چھپائے جانے کو واجب قرار نہیں دیا ہے لیکن اسے لوگوں کو نہیں بتانا چاہیے کہ اس حقیقت کو سننے کے بعد عورتیں نہ صرف یہ کہ چہرے اور ہاتھوں کو کھلا رکھیں گی بلکہ ان کا سر، سینہ اور گھٹنوں تک پیر بھی کھل جائیں گے اور یہی وہ جگہ ہے جہاں اخفا کا فلسفہ ابھرتا ہے۔

جب میں نے داستانِ راستان لکھی تو خوزستان کے ایک عالم نے مجھے ایک خط لکھا۔ انہوں نے میری کتاب کو سراہتے ہوئے اسے بہت مفید قرار دیا اور اس بات کا اعتراف کیا کہ انھوں نے ان تمام داستانوں کو اصل مآخذ سے ملایا اور حرف بہ حرف درست پایا لیکن اس نے یہ معروضہ بھی پیش کیا کہ میں اس میں سے دو داستانوں کو نکال دوں، اس لیے کہ ان سے غلط استفادہ کا اندیشہ ہے۔

ایک داستان کا تعلق گھر کے کاموں کی تقسیم سے تھا جسے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام اور فاطمہ سلام اللہ علیہا کے درمیان کیا تھا۔ آپ نے باہر کے کاموں کو حضرت علی علیہ السلام اور گھر کے کاموں کو حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کے سپرد فرمایا لیکن حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا، حضرت علی علیہ السلام کی غیر موجودگی میں باہر کے کاموں کی ذمہ داری بھی قبول کرتی تھیں۔

دوسری داستان بردہ فروشی سے متعلق ہے جس میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کام کی مذمت کی ہے۔

اس مرد عالم نے مجھے تاکید کی کہ میں ان دونوں داستانوں کو باوجود اس کے کہ ان کی اصل و اساس درست ہے، کتاب سے نکال دوں، اس لیے کہ پہلی داستان سے وہ لوگ فائدہ اٹھائیں گے جو یہ سمجھتے ہیں کہ عورت گھر سے باہر نکل سکتی ہے اور دوسری داستان بردہ فروشی کے مخالفین کو غلط استفادہ کا موقع دے گی۔

میں اس کلی اصول کا مخالف نہیں ہوں کہ وہ چیز نہ کہی جائے جو حقیقت سے انحراف کا باعث ہو اس لیے کہ بحث لوگوں کو حقیقت سے نزدیک کرنے کے لیے کی جاتی ہے نہ یہ کہ اس کو پڑھ کر لوگ حقیقت سے دور ہونے لگیں البتہ حقائق کی پردہ پوشی فعل حرام ہے۔ قرآن کریم ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَیِّنٰتِ وَالْھُدٰی مِنْۢ بَعْدِ مَا بَیَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِی الْکِتٰبِ اُولٰٓئِکَ یَلْعَنُھُمُ اللّٰهُ وَیَلْعَنُھُمُ اللّٰعِنُوْنَ۔

وہ لوگ جو ہمارے نازل کردہ ان حقائق کو اس کے بعد چھپاتے ہیں جبکہ ہم نے انہیں واضح کردیا ہے، ان پر خدا اور تمام لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں۔ (سورۂ بقرہ۔ آیت ۱۵۹)

آیت کا انداز بڑا سخت اور شدید ہے۔ قرآن مجید نے بہت کم موضوعات میں اتنا سخت لہجہ اختیار کیا ہے۔

بہرحال میں سمجھتا ہوں کہ غالباً مراد یہ ہے کہ لوگ اپنے ذاتی منافع کی خاطر حقائق سے صرف نظر نہ کریں اور انہیں پوشیدہ نہ رکھیں لیکن یہ بات اس آیت کے ذیل میں نہیں آتی کہ ہم حقیقت کو خود حقیقت کی خاطر (البتہ محدود اور معین شرائط کے ساتھ وہ بھی اس لیے کہ لوگ اس سے سوءِ استفادہ نہ کریں) بیان نہ کریں۔ دوسرے لفظوں میں جھوٹ بولنا فعل حرام ہے لیکن سچ بولنا بھی ہمیشہ واجب نہیں یعنی کبھی کبھی بعض مسائل میں خاموشی ضروری ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ اس طرح کی مصلحت اندیشیاں اگر درحقیقت حقیقی مصالح کی بنیاد پر ہوں اور ان میں طبقاتی، شخصی یا صنفی منافع کا دخل نہ ہو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

لیکن گفتگو یہ ہے کہ کیا ریڈیو کی خرید و فروخت کے عدم جواز یا چہرے اور ہاتھوں کے چھپائے جانے کے عدم وجوب سے متعلق فتویٰ نہ دینے کو ہم عاقلانہ اور صحیح مصلحت اندیشی پر محمول کرسکتے ہیں؟ کیا واقعی صورت حال ایسی ہی ہے کہ عورتیں اپنے چہرے اور ہاتھوں کو چھپانے لگیں گی اور اس حقیقت کو برملا کرنے سے چہرہ ہاتھ اور تمام بدن عریاں ہوجائے گا یا امر واقعہ اس سے مختلف ہے۔ یعنی بہت سے مرد اور بہت سی عورتیں یہ سوچنے لگیں گی کہ مذہبی اعتبار سے عورت کا چہرہ

کھلا ہوا نہیں ہونا چاہیے اور اگر چہرہ کھل گیا تو گویا عورت ختم ہو گئی یا پھر وہ چہرے کے چھپانے کو غیر عملی اور غیر منطقی سمجھنے لگیں گی اور کوئی فلسفہ یا کوئی استدلال ان کے لیے مفید نہ ہوگا اور وہ سرتا پا عریاں ہو جائیں گی۔

بعض ماہرین عمرانیات کا خیال ہے کہ اس ساری بے راہ روی کا سبب وہ غلط توہمات ہیں جو ایک معاشرہ حجاب کے بارے میں رکھتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں کو حقائق سے آگاہ نہیں کیا گیا۔ اگر بات اس طرح کہی جاتی جس طرح اسلام نے کہی ہے تو آج یہ نوبت نہ آتی۔ یہ صورت حال "پوپ سے زیادہ کیتھولک بننے کی کوشش" میں رونما ہوئی ہے" پتیلی سالن سے زیادہ گرم ہو صحیح نہیں"۔ قرآن حکیم فرماتا ہے:

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ

اے ایمان لانے والو! اللہ اور اسکے رسول سے آگے بڑھنے کی کوشش نہ کرو۔ (سورۂ حجرات۔ آیت ۱)

اللہ اور اس کے رسول سے آگے بڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم دینداری اور بزرگی کو اس حد تک لے جائیں کہ جہاں تک خدا اور اس کے رسولؐ نے حکم نہیں دیا اور پیغمبرؐ سے بھی آگے بڑھنے کی کوشش کریں۔ امیر المومنین امام علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

"اِنَّ اللّٰهَ حَدَّدَ حُدُوْدًا فَلَا تَعْتَدُوْهَا وَ فَرَضَ فَرَائِضَ فَلَا تَتْرُكُوْهَا
وَ سَكَتَ عَنْ اَشْيَاءَ لَمْ يَسْكُتْ عَنْهَا نِسْيَانًا فَلَا تَتَكَلَّفُوْهَا۔"

یعنی خداوند عالم نے ہر چیز کے حدود معین کیے ہیں، ان سے تجاوز نہ کرو۔ (بعض محرمات کا تعین کیا ہے اسے نہ توڑو) اور بعض واجبات لاگو کیے ہیں انہیں ترک نہ کرو اور بعض چیزوں کے بارے میں سکوت اختیار کیا ہے (نہ انہیں حرام کیا ہے نہ واجب) یہ سکوت بھول کی بنا پر نہیں ہے بلکہ اس نے یہ چاہا ہے کہ تم ان موارد میں آزاد رہو۔ پس تم ان راستوں میں اپنے کو تکلیف اور مشقت میں نہ ڈالو اور اپنی طرف سے دین اور خدا کے نام پر تکلیف معین نہ کرو۔

جامع الصغیر میں نقل ہونیوالی ایک حدیث کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ اَنْ يُؤْتٰى رُخَصُهٗ كَمَا يَكْرَهُ اَنْ يُؤْتٰى مَعْصِيَتُهٗ

یعنی جس طرح خداوند عالم اس بات سے ناخوش ہوتا ہے کہ بندے ان چیزوں پر عمل کریں جنہیں اس نے نہ کرنے کے لیے کہا ہے۔ اسی طرح اس بات سے خوش ہوتا ہے کہ اس کی مخلوق ان امور پر بالکل اسی طرح عمل کرے جس طرح اس کے کرنے کا اس نے حکم دیا ہے اور اپنی طرف سے کمی بیشی نہ کرے۔

اس حدیث کو ان الفاظ میں بھی نقل کیا گیا ہے:

"اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ اَنْ یُّوْخَذَ بِرُخَصِہٖ کَمَا یُحِبُّ اَنْ یُّوْخَذَ بِعَزَآئِمِہٖ"

یعنی خداوند عالم پسند کرتا ہے کہ اس نے جس چیز کو مباح قرار دیا اور لوگوں کو اس کی چھوٹ دے رکھی ہے لوگ اسی طرح اسے مباح سمجھیں اور یہ بات بالکل اسی طرح ہے جس طرح وہ چاہتا ہے کہ لوگ اس کی منع کی ہوئی ہر شے کو ناروا سمجھیں۔

ممکن ہے میری رائے غلط ہو۔ میں نے بار بار یہ بات کہی ہے کہ اس قسم کے فرعی مسائل میں ہر شخص کو چاہیے کہ وہ اپنے مجتہد کے فتویٰ پر عمل کرے لیکن حقیقت کو مصلحت اندیشی کے نام سے چھپانے کے بارے میں میری رائے مختلف ہے۔ میں مصلحت کو حقیقت بیانی میں مضمر سمجھتا ہوں مصلحت کا تقاضا یہی ہے کہ ہم اس خیال کو عصر حاضر کی عورتوں کے دماغ سے نکال دیں کہ آج کے حالات میں پردے پر عمل ممکن نہیں اور ثابت کریں کہ اسلامی حجاب قطعاً قابلِ عمل اور منطقی ہے۔

پھر اس بات کی کوشش کریں کہ ہم اپنی تمدنی، اجتماعی اور دیگر سرگرمیوں میں عورتوں کے لیے خصوصی فعالیتوں کی راہ کھولیں اور ان تنظیموں سے برسرپیکار رہیں جو یورپ کی احمقانہ تقلید میں عورتوں اور مردوں کی مشترکہ سرگرمیوں سے وجود میں آئی ہیں۔ صرف یہی وہ صورت ہے جس سے عورتیں اپنا حقیقی مقام حاصل کریں گی اور آزادی و مساوات کے نام پر مردوں کے ہاتھ کا کھلونا اور بعض مواقع پر ان کی شہوت رانی کا ذریعہ نہیں بنیں گی۔

دو اور مسائل

عورتوں اور مردوں کی معاشرت کے باب میں دو مسئلے رہ گئے ہیں جن کا ذکر کرنا یہاں

نامناسب نہ ہوگا۔ یہ مسائل عورتوں کی آواز اور ان سے ہاتھ ملانے کے سلسلے میں ہیں۔

عورتوں کی آواز سے متعلق مسئلہ میں ظاہراً یہ بات مسلم ہے کہ عورتوں کی آواز سننا جائز ہے بشرطیکہ اس میں لذت گیری کا عنصر موجود نہ ہو۔ آیت اللہ سید محمد کاظم طباطبائی یزدی مرحوم فرماتے ہیں:

"لَا بَأْسَ بِسِمَاعِ صَوْتِ الْاَجْنَبِيَّةِ مَالَمْ يَكُنْ تَلَذُّذٌ وَلَا رِيْبَةٌ مِنْ غَيْرِ فَرْقٍ بَيْنَ الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرِ وَاِنْ كَانَ الْاَحْوَطُ التَّرْكُ فِيْ غَيْرِ مَقَامِ الضَّرُوْرَةِ يَحْرُمُ عَلَيْهَا اِسْمَاعُ الصَّوْتِ الَّذِيْ فِيْهِ تَهْيِيْجُ السَّامِعِ بِتَحْسِيْنِهِ وَتَرْقِيْقِهِ۔ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ" [1]

یعنی تلذذ اور ریبہ کے بغیر بینا اور نابینا مرد کے لیے نامحرم عورت کی آواز سننا جائز ہے لیکن اگر ضرورت نہ ہو تو اس کو ترک کرنا بہتر ہے۔ نیز یہ کہ عورت پر حرام ہے کہ وہ اپنی آواز کو پرکشش اور پرُہیجان بنائے، جیساکہ خداوند تبارک وتعالیٰ نے کلام پاک میں ازواج پیغمبر سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ نرم بات کرتے ہوئے اپنی آوازوں کو باریک اور ہیجان خیز نہ بناؤ کہ جس سے بیمار دل افراد لالچ میں پڑ جائیں۔

عورت کی آواز سننے کا مسئلہ مسلمات میں سے ہے اور اس کی دلیل اس کی ضرورت اور مسلمانوں کی روش ہے۔ ہم اسے خصوصی طور پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ طاہرین علیہم السلام کی قطعی تاریخی سیرت میں موجود پاتے ہیں۔

اس کے علاوہ مذکورہ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ وہ گفتگو جس میں نازواد کا دخل نہ ہو جائز ہے۔ یعنی خود یہ آیت اجنبی مردوزن کے باہمی گفتگو کے جواز پر دلیل ہے۔

صرف شہید اول رح نے لمعہ میں کہا ہے: وَيَحْرُمُ سِمَاعُ صَوْتِ الْاَجْنَبِيَّةِ اور بعض فقہائے معاصر نے کتابت میں غلطی کا احتمال ظاہر کیا ہے اور کہا ہے کہ لکھنے میں "لَا يَحْرُمُ"

---

[1] عروۃ الوثقیٰ۔ باب نکاح۔ فصل اول۔ مسئلہ ۳۹۔

"یحْرُمُ" ہو گیا ہے۔

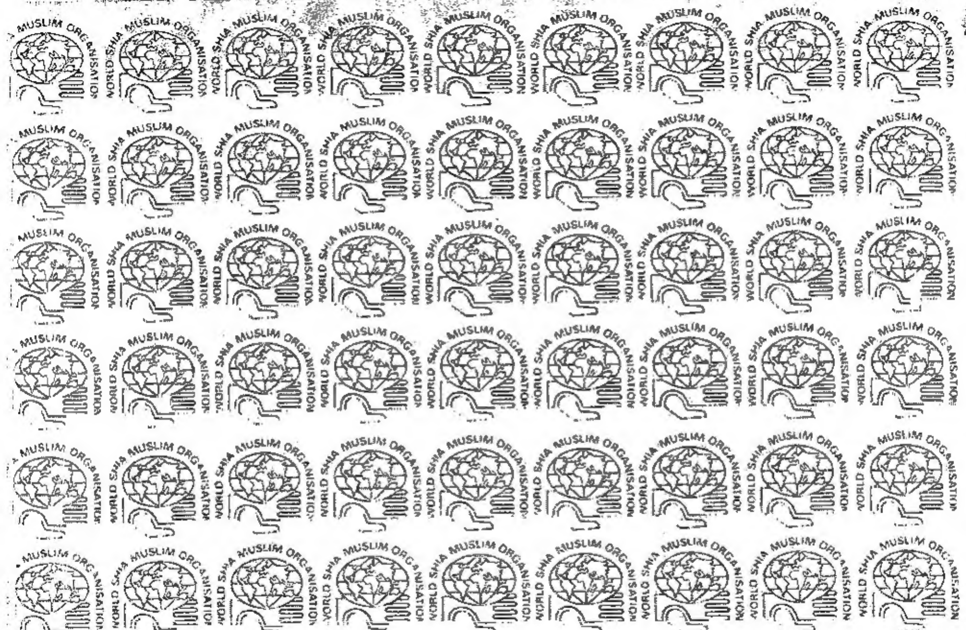
دوسرے مسئلے میں جو ہاتھ ملانے سے متعلق ہے اگر لذت اور ریبہ کا دخل نہ ہو تب بھی اجنبی مرد اور عورت کا ایک دوسرے سے مصافحہ کرنا جائز نہیں ہے۔ مگر یہ کہ دونوں ہاتھوں کے درمیان کوئی کپڑا یا دستانہ حائل ہو۔ اس مسئلے میں بھی علماء کے درمیان مکمل اتفاق ہے بعض روایتوں میں دستانہ یا حائل کی شرط کے ساتھ یہ بھی آیا ہے کہ ہاتھ کو زور سے دبایا بھی نہ جائے۔ آقائے یزدی عروۃ الوثقیٰ میں پچھلے مسئلے کے بعد ارشاد فرماتے ہیں:

" لَا یَجُوْزُ الْمُصَافَحَةُ بِالْاَجْنَبِیَّةِ نَعَمْ لَا بَأْسَ بِهَا مِنْ وَّرَآءِ الثَّوْبِ "

یعنی عورت سے ہاتھ ملانا جائز نہیں ہے۔ مگر یہ کہ درمیان میں کوئی کپڑا حائل ہو۔

ظاہر ہے کہ دستانے یا کپڑے کی موجودگی کے ساتھ اجنبی عورت کے ساتھ ہاتھ ملانے کا جواز اس شرط کے ساتھ درست ہے کہ اس میں لذت یا ریبہ کا دخل نہ ہو لیکن اگر لذت یا ریبہ کا عمل دخل ہو تو جیسا کہ بعض علماء نے "عروۃ" کے حاشیہ میں تحریر کیا ہے قطعاً حرام ہے۔

فہرست اعلام


WORLD SHIA MUSLIM ORGANISATION
لا إله إلا الله
محمد رسول الله

یه کتاب

اپنے بچوں کے لیے scan کی بیرونِ ملک مقیم ھیں

مو منین بھی اس سے استفادہ حاصل کرسکتے ھیں.

منجانب.

سبیلِ سکینہؑ

پاکستان





۷۸۶
۹۲_۱۱۰
یا صاحب الزماں ادرکنی

DVD Version

لبیک یا حُسینؑ

خصوصی تعاون: نذر عباس
رضوان رضوی

اسلامی کُتب (اردو) DVD

ڈیجیٹل اسلامی لائبریری ۔

www.ziaraat.com

SABIL-E-SAKINA
Unit#8,
Latifabad Hyderabad
Sindh, Pakistan.
www.sabeelesakina.page.tl
sabeelesakina@gmail.com